لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
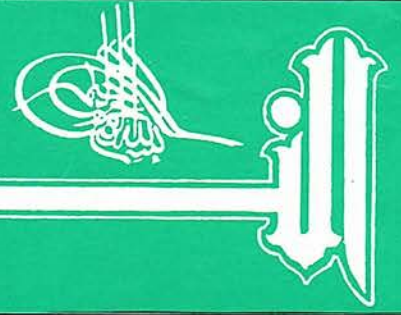
جماعتہائے احمدیہ امریکہ

امان ۱۳۸۰ ہش

مارچ ۲۰۰۱ء

THE AHMADIYYA GAZETTE IS PUBLISHED BY THE **AHMADIYA MOVEMENT IN ISLAM,** INC., AT THE LOCAL ADDRESS 31 Sycamore St. P. O. Box 226, Chauncey, OH 45719. **PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO 45719.**
Postmaster: Send address changes to:
THE AHMADIYYA GAZETTE
P. O. Box 226
Chauncey, OH 45719-0226

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
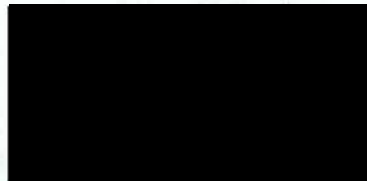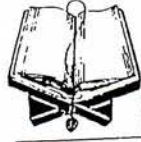
۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

۲۔ اللہ ہی کی تسبیح کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ قدّوس ہے۔ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ق وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾

۳۔ وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

۴۔ اور انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی اُن سے نہیں ملے۔ وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۵﴾

۵۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اُس کو جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

☆ یہ سورت مدنی ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی بارہ آیات ہیں۔ سورۃ الصف میں عیسیٰ بن مریم کی طرف سے 'احمد' رسول کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی بیان کی گئی تھی۔ سورۃ الجمعہ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ نبی ناخواندہ عربوں میں مبعوث ہوا اور اس نے قرآن کریم کی کامل تعلیم، اپنے اسوۂ حسنہ اور اپنی دعاؤں سے ان کا تزکیہ کیا۔ یہ ناخواندہ قوم جلد ہی دنیا میں ہدایت اور نور پھیلانے کا باعث بنے گی اور یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخری دور میں آنحضرت ﷺ کے ایک نائب کے ذریعہ دنیا پھر ایسے ہی روحانی انقلاب کا نظارہ دیکھے گی اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اسی طریق پر ہوگی جس طریق پر پہلے دور میں ہوئی تھی۔ ضمناً اس سورت میں مدینہ کے یہود کا ذکر بھی کیا گیا ہے جنہوں نے اپنی کتب کی پیشگوئیوں کو جاننے کے باوجود آیات اللہ کی تکذیب کی۔

تمام امت مسلمہ کو عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔

امان ۱۳۸۰ ہش

مارچ ۲۰۰۱ء

فہرست مضامین

نگران صاحبزادہ مرزا مظفر احمد
امیر جماعت احمدیہ امریکہ

ایڈیٹر
سید شمشاد احمد ناصر

پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں

وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جسکی ابتداء میں مَیں ہوں۔۔۔ اور آخر میں مسیح ابن مریم ظاہر ہوں گے

احادیث نبوی ﷺ

☆عن ابی هريرة رضى الله عنه قال كنا جلوساً عند النبى صلى الله عليه وسلم انزلت عليه سورة الجمعة واخرين منهم۔ قيل من هم يارسول الله فلم يراجعه حتى سال ثلاثاً وفينا سلمان الفارسى وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده علىٰ سلمان ثم قال لوكان الايمان عند الثريا لناله رجال اورجل من هولاء۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعۃ صفحہ ۱۲۵)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ پر سورہ جمعہ کی آیت وآخرین منھم نازل ہوئی حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی منھم سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپؐ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ حضورؐ سے تین دفعہ پوچھا گیا۔ اس مجلس میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی بیٹھے تھے آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمانؓ پر رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو گا تو ان (اہل فارس) میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص اس کو پالیں گے۔

☆۔ قال رسول الله ﷺ اذامضت الف ومأتان واربعون سنة يبعث الله المهدى۔ (النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ایک ہزار دو سو چالیس سال گزر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مہدی کو مبعوث کرے گا۔

☆۔ ان الله يبعث لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ (مشکوۃ مطبع نظامی۔ دہلی صفحہ ۱۴)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کیلئے ہر صدی کے سر پر مجددین مبعوث کرتا رہے گا تیرہ صدیوں کے مجددین کی فہرست شائع شدہ ہے۔ علماء امت یہ یقین رکھتے تھے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والے مجدد امام مہدی علیہ السلام ہوں گے۔

حضرت ابو جعفر بن محمدؒ سے مروی ہے۔

☆۔ قال رسول الله ﷺ كيف تهلك امة انا اولها واثنا عشر من بعدى من السعداء واولى الالباب والمسيح ابن مريم اخرها۔ (اكمال الدين صفحه ۱۵۷)

ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کی ابتداء میں میں ہوں اور میرے بعد بارہ نیک اور عقلمند شخص ہوں گے اور مسیح ابن مریم اس کے آخر میں ہوں گے۔

☆۔ من مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية (مسلم كتاب الامارة)

ترجمہ جو ایسی حالت میں مر گیا کہ اسکی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔

سرور کونین حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

☆۔ فاذا رايتموه فبايعوه ولو حبواً على الثلج فانه خليفة الله المهدى (مسند احمد بن حنبل)

اے مسلمانو! پس جب تم اس (امام مہدی) کو دیکھو تو اُس کی بیعت کرو اگر تمہیں برف کے تودوں پر گھٹنوں کے بل بھی کیوں نہ جانا پڑے تم ضرور اس کے پاس پہنچو وہ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ اور اس کی طرف سے ہدایت یافتہ ہے۔

☆۔ الا يات بعد المأتين (مشكوٰة مجتبائى صفحه ۴۷۱۔ ابن ماجه ومستدرك حاكم عن ابى قتادة۔

ترجمہ:۔ امام مہدی کی نشانیاں دو خاص صدیاں ہجرت نبوی کے بعد ہزار سال چھوڑ کر گذرنے پر ظاہر ہوں گی۔ نشانیوں کا ظاہر ہونا خود امام مہدی کے ظہور کا تعین ہے یعنی تیرھویں صدی ہجری گزرنے پر۔

”تجدید دین کیلئے آنے والا ۔ میں ہی ہوں“

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”جب خدا تعالیٰ نے زمانہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر اور زمین کو طرح طرح کے فسق اور معصیت اور گمراہی سے بھرا ہوا پا کر مجھے تبلیغ حق اور اصلاح کیلئے مامور فرمایا اور یہ زمانہ بھی ایسا تھا کہ......... اس دنیا کے لوگ تیرھویں صدی ہجری کو ختم کر کے چودھویں صدی کے سر پر پہنچ گئے تھے تب میں نے اس حکم کی پابندی سے عام لوگوں میں بذریعہ تحریری اشتہارات اور تقریروں کے یہ ندا کرنی شروع کی کہ اس صدی کے سر پر جو خدا کی طرف سے تجدید دین کیلئے آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں تا وہ ایمان جو زمین پر سے اٹھ گیا ہے اس کو دوبارہ قائم کروں اور خدا سے قوت پا کر اسی کے ہاتھ کی کشش سے دنیا کو اصلاح اور تقویٰ اور راستبازی کی طرف کھینچوں اور ان کی اعتقادی اور عملی غلطیوں کو دور کروں اور پھر جب اس پر چند سال گزرے تو بذریعہ وحی الٰہی میرے پر بتصریح کھولا گیا کہ وہ مسیح جو اس امت کیلئے ابتداء سے موعود تھا اور وہ آخری مہدی جو تنزل اسلام کے وقت اور گمراہی کے پھیلنے کے زمانہ میں براہ راست خدا سے ہدایت پانے والا اور اس آسمانی مائدہ کو نئے سرے انسانوں کے آگے پیش کرنے والا تقدیر الٰہی میں مقرر کیا گیا تھا جس کی بشارت آج سے تیرہ سو برس پہلے رسول کریم ﷺ نے دی تھی وہ میں ہی ہوں اور مکالمات الٰہیہ اور مخاطبات رحمانیہ اس صفائی اور تواتر سے اس بارے میں ہوئے کہ شک و شبہ کی جگہ نہ رہی ہر ایک وحی جو ہوتی ایک فولادی میخ کی طرح دل میں دھنستی تھی اور یہ تمام مکالمات الٰہیہ ایسی عظیم الشان پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے تھے کہ روز روشن کی طرح وہ پوری ہوتی تھیں اور ان کے تواتر اور کثرت اور اعجازی طاقتوں کے کرشمہ نے مجھے اس بات کے اقرار کیلئے مجبور کیا کہ یہ اسی وحدہ لاشریک خدا کا کلام ہے........ غرض وہ خدا کی وحی جو میرے پر نازل ہوئی ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ جس کے ذریعہ سے میں نے اپنے خدا کو پایا اور وہ وحی نہ صرف آسمانی نشانوں کے ذریعہ مرتبہ حق الیقین تک پہنچی بلکہ ہر ایک حصہ اس کا جب خدا تعالیٰ کے کلام قرآن شریف پر پیش کیا گیا تو اس کے مطابق ثابت ہوا اور اس کی تصدیق کیلئے بارش کی طرح نشان آسمانی برسے۔“

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴،۳)

تبرکات

میرے آنے کے دو مقصد ہیں

مسلمانوں کیلئے یہ کہ اصل تقویٰ و طہارت پر قائم ہو جائیں

عیسائیوں کیلئے کسرِ صلیب اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آوے

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں

(ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افتراء کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اُس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے اور مَیں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرّہ کے خدا کی اُس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی۔ جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے اور مَیں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وہ اُسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا"۔ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۷،۸ مطبوعہ ۱۹۰۱ء)

بریلی سے ایک شخص نے حضرت بانی جماعت احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ کیا آپ وہی مسیح موعود ہیں جس کی نسبت رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احادیث میں خبر دی ہے اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر اس کا جواب لکھیں۔ اس پر حضورؑ نے اُسے حلفاً تحریر فرمایا کہ:

"مَیں نے پہلے بھی اس اقرار مفصّل ذیل کو اپنی کتابوں میں قسم کے ساتھ لوگوں پر ظاہر کیا ہے اور اب بھی اِس پرچہ میں اس خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مَیں وہی مسیح موعود ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث صحیحہ میں دی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں درج ہیں وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔

الراقم مرزا غلام احمد عفا اللہ عنہ و ایدہٗ ۱۷/ اگست ۱۸۹۹ء (روحانی خزائن ملفوظات جلد نمبر ا صفحہ ۳۲۶، ۳۲۷)

"مَیں بڑے دعوے اور استقلال سے کہتا ہوں کہ مَیں سچ پر ہوں اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے اور جہاں تک مَیں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں۔ اور قریب ہے کہ مَیں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اَور زبان بول رہی ہے اور میرے ہاتھ کی تقویت کیلئے ایک اَور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر مَیں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔ اور آسمان پر ایک جوش اور اُبال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پُتلی کی طرح اِس مشتِ خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہر یک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں"۔ (روحانی خزائن جلد ۳ ازالہ اوہام صفحہ ۴۰۳)

"یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ خدا اس کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وہ راضی نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو کمال تک نہ پہنچادے اور وہ اس کی آب پاشی کرے گا اور اس کے گرد احاطہ بنائے گا اور تعجب انگیز ترقیات دے گا۔ کیا تم نے کچھ کم زور لگایا۔ پس اگر یہ انسان کا کام ہوتا تو کبھی کا یہ درخت کاٹا جاتا۔ اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہتا"۔ (روحانی خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم صفحہ ۶۴)

"میرے آنے کے دو مقصد ہیں۔ مسلمانوں کیلئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں۔ وہ ایسے سچے مسلمان ہوں جو مسلمان کے

مفہوم میں اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے۔ اور عیسائیوں کیلئے کسرِ صلیب ہو اور اُن کا مصنوعی خدا نظر نہ آوے۔ دنیا اس کو بالکل بھول جاوے۔ خدائے واحد کی عبادت ہو۔

.... جو کام اللہ تعالیٰ کے جلال اور اُس کے رسول کی برکات کے اظہار اور ثبوت کیلئے ہوں اور خود اللہ تعالیٰ کے اپنے ہی ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہو پھر اس کی حفاظت تو خود فرشتے کرتے ہیں۔ کون ہے جو اس کو تلف کر سکے؟ یاد رکھو! میرا سلسلہ اگر نری دکانداری ہے تو اس کا نام و نشان مِٹ جائے گا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یقیناً اسی کی طرف سے ہے تو ساری دنیا اس کی مخالفت کرے یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔ اگر ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو اور کوئی بھی مدد نہ دے تب بھی مَیں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سلسلہ کامیاب ہوگا۔

مخالفت کی مَیں پرواہ نہیں کرتا۔ مَیں اس کو بھی اپنے سلسلہ کی ترقی کیلئے لازمی سمجھتا ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی مامور اور خلیفہ دنیا میں آیا ہو اور لوگوں نے چپ چاپ اُسے قبول کر لیا ہو۔ دنیا کی تو عجیب حالت ہے، انسان کیسا ہی صدیق فطرت رکھتا ہو مگر دوسرے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ تو اعتراض کرتے ہی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمارے سلسلہ کی ترقی فوق العادت ہو رہی ہے۔ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ سو کی فہرستیں آتی ہیں اور دس دس پندرہ پندرہ تو روزانہ درخواستیں بیعت کی آتی رہتی ہیں۔ اور وہ لوگ علیحدہ ہیں جو خود یہاں آکر داخل سلسلہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کے قیام کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ دنیا کے گند سے نکلیں اور اصل طہارت حاصل کریں۔ اور فرشتوں کی سی زندگی بسر کریں (الحکم ۱۷ر جولائی ۱۹۰۵ء

"مسلمانو! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں یہ خبر دے دی ہے اور مَیں نے اپنا پیام پہنچا دیا ہے اب اس کو سننا نہ سننا تمہارے اختیار میں ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں اور مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو موعود آنے والا تھا وہ مَیں ہی ہوں اور یہ بھی پکی بات ہے کہ اسلام کی زندگی عیسیٰ کے مرنے میں ہے"۔ (ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۵۷)

"اگر کوئی شخص ہماری جماعت سے نفرت کرتا ہے تو کرے۔ لیکن اُسے کم از کم غیرتِ اسلام کے تقاضا سے اور اسلام کی موجودہ حالت کے لحاظ سے یہ بھی تو ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی جماعت کو تلاش کرے اور اُس کا پتہ دے جو حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانات اور روشن آیات سے کسرِ صلیب کر رہی ہو۔ مگر مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ خواہ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کہیں بھی چلے جاؤ اس جماعت کا پتہ بجز میرے نہیں ملے گا۔ اِس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اِس غرض کے واسطے مجھے ہی مبعوث کر کے بھیجا ہے۔ میرے دعویٰ کو سُن کر نری بدظنّی اور بدلگامی سے کام نہ لو بلکہ تمہیں چاہئے کہ اِس پر غور کرو اور منہاجِ نبوّت کے معیار پر اس کی صداقت کو آزماؤ۔ انسان ایک پیسے کا برتن لیتا ہے تو اس کی بھی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری باتوں کو سنتے ہی بغیر فکر کئے گالیاں دینی شروع کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی نامناسب اَمر ہے۔ جو طریق مَیں نے پیش کیا ہے اس طرح پر میرے دعویٰ کو آزماؤ۔ اور پھر اگر اِس طریق سے بھی تم مجھے کاذب پاؤ تو بے شک افسوس کے ساتھ چھوڑ دو۔ لیکن مَیں تمہیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ مَیں مفتری نہیں ہوں۔ کاذب نہیں ہوں۔ بلکہ مَیں وہی ہوں جس کا وعدہ نبیوں کی زبانی ہوتا چلا آیا ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ وہی مسیح موعود ہوں جو چودھویں صدی میں آنے والا تھا اور جو مہدی بھی ہے۔ مجھے وہی قبول کرتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے دیکھنے والی آنکھ عطا کرتا ہے۔ اور یہ جماعت اب دن بدن بڑھ رہی ہے۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ بڑھے۔ پس یہ بڑھے گی۔ اور ضرور بڑھے گی"۔ (الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۵ء ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۱۴۵-۱۴۶)

"بالآخر مَیں ہر ایک مسلمان کی خدمت میں نصیحتاً کہتا ہوں کہ اسلام کیلئے جاگو کہ اسلام سخت فتنہ میں پڑا ہے اس کی مدد کرو کہ اب یہ غریب ہے اور مَیں اسی لئے آیا ہوں۔ اور مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں۔ سو میری طرف آؤ تا اِس نعمت سے تم بھی حصہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ کیا ضرور نہ تھا کہ ایسی عظیم الفتن صدی کے سر پر جس کی کھلی کھلی آفات ہیں ایک مجدد کھلے کھلے دعویٰ کیساتھ آتا۔ سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت کرو گے"۔ (برکات الدعا صفحہ ۳۶ روحانی خزائن جلد ۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆

اللّٰہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے کوئی مفلس نہیں ہوتا

مَیں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے مالوں کو خرچ کرو۔

وقف جدید کے نئے مالی سال کے آغاز کا اعلان۔ سال گزشتہ میں وقف جدید کے میدان میں مالی قربانی پیش کرنے کے لحاظ سے امریکہ اول ، پاکستان دوم اور جرمنی تیسرے نمبر پر آئے۔

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- مورخہ ۵/ جنوری ۲۰۰۱ء بمطابق ۵/ صلح ۱۳۸۰ء ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ. فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ -(سورة الحديد آيت ۸)

اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خرچ کرو اس میں سے جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا۔ پس تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اسی انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں مَیں نے کچھ حدیثیں اور کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات جمع کئے ہیں یہ اس لئے کہ آج وقف جدید کے نئے سال کا اعلان ہونا ہے۔ اس لئے آیات بھی وہی ہیں جن کا انفاق فی سبیل اللہ سے تعلق ہے، اقتباسات بھی وہی ہیں جن کا انفاق فی سبیل اللہ سے تعلق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی دن لوگوں پر ایسا نہیں چڑھتا کہ جس میں دو فرشتے نہ اترتے ہوں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو مزید دے جبکہ دوسرا کہتا ہے اے اللہ تو روک رکھنے والے کو بربادی دے کیونکہ جو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، روک رکھتے ہیں، ان کے مال برباد کر دے۔

ایک روایت بخاری کتاب الزکوۃ سے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہمیں صدقہ کا حکم دیتے تھے۔ ہم میں سے بعض بازار چلے جاتے اور بار برداری اور مُدّ (یعنی ماپنے کا پیمانہ) کے برابر کماتے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور اس کے نتیجہ میں آج یہ حال ہے کہ ان لوگوں میں سے بعضوں کے پاس لاکھوں ہے۔ تو اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو صرف آخرت میں نہیں، اس دنیا میں بھی جزا عطا

فرماتا ہے اور یہ تو ہم نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے اموال میں اس دنیا میں بہت برکت پڑتی ہے۔

اپنے فارسی منظوم کلام میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔اس کا ترجمہ پیش ہے:

"اگر اسلام کی تائید میں تم اپنی سخاوت کا ہاتھ کھول دو تو فوراً تمہارے اپنے لئے بھی قدرت کا ہاتھ نمودار ہو جاتا ہے۔اس کی راہ میں خرچ کرنے سے کوئی مفلس نہیں ہو جایا کرتا۔ اگر ہمت پیدا ہو جائے تو خدا خود ہی مددگار بن جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے انصار کی طرف دیکھو کہ کس طرح انہوں نے کام کیا تا کہ تمہیں پتہ لگے کہ دین کی مدد کرنے سے دولت کا منبع پیدا ہو جاتا ہے"۔

پھر آپ فرماتے ہیں:

"یہ ایک ایسا مبارک وقت ہے کہ تم میں وہ خدا کا فرستادہ موجود ہے جس کا صدہا سال سے امتیں انتظار کر رہی تھیں اور ہر روز خدا تعالیٰ کی تازہ وحی تازہ بشارتوں سے بھری ہوئی نازل ہو رہی ہے۔اور خدا تعالیٰ نے متواتر ظاہر کر دیا ہے کہ واقعی اور قطعی طور پر وہی شخص اس جماعت میں داخل سمجھا جائے گا جو اپنے عزیز مال کو اس راہ میں خرچ کرے گا"۔

(مجموعہ اشتہارات)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"مَیں جو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو یہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے کیونکہ اسلام اس وقت تنزل کی حالت میں ہے۔پس اس ترقی کے لئے سعی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشاء کی تعمیل ہے اسلئے اس راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ سمیع و بصیر ہے۔ یہ وعدے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لئے دے گا مَیں اس کو چند گنا برکت دوں گا۔دنیا ہی میں اسے بہت کچھ ملے گا اور مرنے کے بعد آخرت کی جزا بھی دیکھ لے گا کہ کس قدر آرام میسر آتا ہے۔ غرض اس وقت میں اس امر کی طرف تم سب کو توجہ دلاتا ہوں کہ اسلام کی ترقی کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرو"۔

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۳۹۳)

اب ان اقتباسات کے بعد وقف جدید کے چند کوائف مختصر پیش کر کے تو پھر نئے سال کے آغاز کا اعلان کرتا ہوں۔

۲۷ دسمبر ۱۹۵۷ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے وقف جدید کی تحریک جاری فرمائی۔ احمدی بچوں کے دلوں میں اس تحریک کی محبت بچپن سے ہی پیدا کرنے کی خاطر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۹۶۶ء میں وقف جدید کے دفتر اطفال کا اجراء فرمایا۔ پہلے یہ تحریک پاکستان اور ہندوستان تک ہی محدود تھی۔ مَیں ضمناً بتا دیتا ہوں کہ وقف جدید کا سب

سے پہلا نام ممبر کے طور پر میرا تھا یعنی حضرت مصلح موعودؓ نے میرا نام نمبر ایک پر رکھا تھا۔ پھر شاید حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر دو نمبر پر لیکن جہاں تک وقف جدید کی مجلس کی صدارت کا تعلق ہے ہمیشہ تاحیات حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر ہی رہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۱۹۶۶ء میں وقف جدید کے دفتر اطفال کا اجراء فرمایا۔

پہلے یہ تحریک پاکستان اور ہندوستان تک ہی محدود تھی پھر مَیں نے یعنی اس خاکسار نے ۲۵/ دسمبر ۱۹۸۵ء کو یہ تحریک پوری دنیا تک وسیع کر دی اور اب دنیا کے ایک سو سات ممالک میں یہ تحریک جاری ہو چکی ہے۔ ۳۱/ دسمبر ۲۰۰۰ء کو وقف جدید کا تینتالیسواں (۴۳ واں) سال اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کو سمیٹتے ہوئے اختتام پذیر ہوا اور یکم جنوری ۲۰۰۱ء سے ہم وقفِ جدید کے چوالیسویں (۴۴ ویں) سال میں داخل ہو چکے ہیں۔ جو سال اختتام پذیر ہوا ہے یہ صدی کا آخری سال تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس سال جماعت احمدیہ کو وقف جدید کے میدان میں نمایاں قربانی پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ رپورٹوں کے مطابق کل وصولی بارہ لاکھ ۵۱ ہزار ۷۸۲ پاؤنڈ ہے یعنی روپوؤں کو جب پاؤنڈوں میں تبدیل کر لیا جائے مارکس وغیرہ کو بھی تو پھر یہ بنتی ہے۔ ۱۲۵۱۷۸۲ پاؤنڈ ہے جو کہ گزشتہ سال کی وصولی کے مقابل پر ایک لاکھ ستہتر ہزار (۱۷۷،۰۰۰) پاؤنڈ زیادہ ہے۔ الحمد للہ۔

امریکہ کی جماعت کو بھی حسب سابق وقف جدید میں دنیا بھر میں اول آنے کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے۔ ساری دنیا کی جماعتوں میں امریکہ کی جماعت وقف جدید کے چندہ میں اوّل ہے۔ اس کے بعد نمبر دو پاکستان باوجود اس کے کہ آج کل بڑے سخت مالی حالات سے گزر رہا ہے پھر بھی اس سال ٹارگٹ سے بڑھ کر ادائیگی کی توفیق پائی اور اپنی دوسری پوزیشن کو قائم رکھا۔ جرمنی حسب سابق تیسرے نمبر پر ہے اور انگلستان حسب سابق چوتھے نمبر پر اور کینیڈا پانچویں نمبر پر۔

جہاں تک وقف جدید کے چندہ کا تعلق ہے اس سے بہت زیادہ اہم یہ امر ہے کہ مجاہدین کی تعداد زیادہ بڑھے کیونکہ جن لوگوں کو خصوصاً نومبایعین کو شروع سے ہی طوعی چندوں کی توفیق عطا ہوتی ہے وہ پھر آگے بہت بڑھ بڑھ کر، دل کھول کر چندہ دینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مجاہدین کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو لاکھ اٹھانوے ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور گزشتہ سال کے مقابل پر اس میں اکتیس ہزار افراد کا اضافہ ہوا ہے۔ تعداد میں اضافہ ہندوستان میں زیادہ ہوا ہے۔ امسال انہوں نے چودہ ہزار سات سو انتیس (۱۴،۷۲۹) نئے مجاہدین بنائے ہیں اور ۱۴،۷۲۹ میں سے اکثر جو نئے مجاہدین ہیں وہ نئے احمدی ہوتے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ۔

چندہ بالغان میں پاکستان کی جماعتوں میں اوّل کراچی، دوئم ربوہ اور سوئم لاہور ہیں اور چندہ دفتر اطفال میں یہ بالکل الٹ جاتا ہے معاملہ۔ بالغان میں اوّل کراچی، دوئم ربوہ اور سوم

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت طیبہ کی چند جھلکیاں

تحریر:۔ مولانا شیخ مبارک احمد۔ واشنگٹن

مارچ کا مہینہ اور اس مہینہ کی تئیس تاریخ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ السلام نے اس تاریخ کو بمقام لدھیانہ پہلی بیعت لیکر جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی۔ اس تاریخی دن کے ابتدائی وقت میں پانچ اور پھر اس دن کے سورج غروب ہونے تک چالیس سعادت مند افراد کو بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس عظیم اور تاریخی واقعہ پر ایک سو سال سے زائد کا عرصہ گزر رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت سے سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد کی جماعت احمدیہ میں شمولیت' ڈیڑھ سو سے زائد ملکوں میں توفیق مل چکی ہے اور احمدیت کا سورج ہر روز پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی روشن شعاعوں کے دنیا سے مختلف بلاد و دیار کو منور کر رہا ہے۔ وللہ الحمد

اس کا اصل باعث حضرت بانی احمدیت کی اعلیٰ سیرت آپ کی بنی نوع انسان سے غیر معمولی ہمدردی اور مخلوق خدا کیلئے دردمندانہ دلداری۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور آسمانی تائیدات ہیں جن کا تذکرہ ہر سال مارچ کے مہینہ میں ۲۳ تاریخ کو خاص طور پر اور مقامی حالات کے پیش نظر قریب کی تاریخوں میں یوم مسیح موعود اہتمام اور پورے انتظام سے منایا جاتا ہے۔ اس دن کے اجتماعوں میں آپ کا ذکر خیر آپ کی سیرت اور اخلاق عالیہ اور کارہائے نمایاں کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان افروز واقعات کو سنکر سامعین خاص روحانی اور ایمانی لذت سے سرشار ہوتے ہیں۔

ذکر حبیب کا موضوع:۔ اس مبارک موقعہ کے مدنظر آپ کی پاکیزہ زندگی کے چند ایمان افروز واقعات کا تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ یہ کوائف اور سیرت کے واقعات بالعموم ذکر حبیب کے عنوان کے تحت بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر ذکر حبیب کا موضوع مکمل نہیں ہو سکتا جب تک یہ بیان نہ کیا جائے کہ خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے محبوب نبی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر کس انداز میں کیا ہے۔

حضرت اقدس سے اللہ تعالیٰ کی تائید و محبت کا تذکرہ:۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مامور حضرت بانی احمدیت علیہ السلام کا ذکر اپنے خاص محبانہ انداز میں فرمایا۔ ۱۸۸۳ء کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان الفاظ میں یاد فرمایا۔ "I Love You"

(تذکرہ صفحہ ۱۱)

پھر اللہ تعالیٰ آپ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوا۔ "I am with you" ۔(تذکرہ صفحہ ۶۱ ۔ ۶۳) "میں تمہارے ساتھ ہوں۔" پھر الہام ہوا۔ "I Shell Help You" (تذکرہ صفحہ ۶۱ ۔ ۶۳) "میں تمہاری مدد کروں گا"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "انت امام مبارک (تذکرہ صفحہ ۶۹)

بیس فروری ۱۸۸۶ء کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح سے فرمایا:۔

خدا تیرے کام کو اس روز تک جب دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا۔ اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا۔ پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھے گا۔ اور ایسا ہو گا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے۔ اور ناکامی و نامرادی میں مریں گے۔ لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گیا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔ اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ متقیوں کے ایسے گروہ پر تابروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔" (تذکرہ صفحہ ۱۴۴)

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے محبت بھرا تذکرہ:۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے حضرت مسیح موعودؑ کا جو ذکر کیا۔ قارئین اسے ملاحظہ فرمائیں۔ آنحضور ﷺ نے خاص پیار سے ذکر کیا جس کی شہادت تاریخ اسلام دے رہی ہے۔ امت محمدیہ میں دو ہی ایسی ہستیاں گذری ہیں جن تک آنحضرت ﷺ اپنا سلام پہنچانے کا ارشاد فرمایا۔ مسیح موعود کے متعلق جیسا کہ کنز العمال میں لکھا ہے آنحضور ﷺ نے فرمایا۔

فلیقرا منی السلام اے لوگو! جب مسیح موعود اور امام مہدی کا ظہور ہو تو خواہ کسی حالت میں ہو اس کے پاس پہنچو اور میرا اس تک سلام پہنچاؤ۔

پھر آنحضرت ﷺ نے اس مبارک وجود کو اپنی امت کیلئے تعویذ قرار دیا اور فرمایا

"کیف تھلک امتی انا اولھا والمسیح ابن مریم آخرھا میری امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جن کی راہ نمائی کیلئے شروع میں مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور آخر میں مسیح موعود کو۔"

(جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۰۶)

حضرت اقدس مسیح موعود کی سیرت و اخلاق عالیہ کی چند جھلکیاں

خدا تعالیٰ اور اس کے مقدس رسولؐ کے ذکر کے بعد اب اس مبارک وجود و رسول کی سیرت اور اخلاق عالیہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔ جن کا مشاہدہ ایک دنیا نے کیا اور روحانی حظ سے محظوظ ہوئے۔

○ ذکر الٰہی:۔ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم...... کا بیان ہے کہ حضرت اقدس کو محبت الٰہی اور ذکر الٰہی کی خاص رغبت تھی۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے اپنے آپ کو سرشار رکھتے۔ رات کو جب بھی پہلو بدلتے تو سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ورد زبان

ہوتا۔ تہجد اور دیگر اوقات کے نوافل کا بھی آپ خاص اہتمام فرماتے۔ محبت الٰہی کے حصول کیلئے آپ کی تڑپ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہے۔ ؎

تیرے کوچہ میں کن راہوں سے آؤں   وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھ کو پاؤں

پھر آپ کا ہر دم یہ ورد تھا۔ ؎

آنچہ مے خواہم از تو نیز توئی   دردو عالم مرا عزیز توئی

اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر کی تلقین بھی ہر موقع پر فرماتے۔ تا آپ کے متبعین بھی محبت الٰہی سے سرشار ہوں۔ حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاول سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ حضرت مسیح موعود اپنے مریدوں کو کون سے وظائف اور اذکار کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔

"حضرت اقدس عام طور پر درود شریف استغفار لاحول و لاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم سورہ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کا ارشاد فرماتے۔"

○ ذکر الٰہی اور عبادات کی تلقین:۔

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کی روایت ہے کہ سیالکوٹ ضلع کے کسی علاقہ سے ایک نمبردار قادیان آیا اور حضرت اقدس سے بیعت ہوا اور بیعت کے بعد اس نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ "حضور اپنی زبان مبارک سے کوئی وظیفہ بتا دیں" حضرت اقدس نے فرمایا۔

"نمازوں کو سنوار کر پڑھو۔ کیونکہ ساری مشکلات کی یہی کنجی ہے۔ اور اس میں ساری لذات اور خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ صدق دل سے روزے رکھو' صدقہ و خیرات کرو۔ درود شریف اور استغفار پڑھا کرو۔ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو۔ ہمسایوں سے مہربانی سے پیش آؤ۔ بنی نوع بلکہ حیوان پر رحم کرو۔ نرم مزاج بنو کیونکہ جو نرم مزاج بنتا ہے خدا بھی اس سے نرم معاملہ کرتا ہے۔ غرض اپنے ہاتھ سے' پاؤں سے' آنکھ وغیرہ سے اعضاء سے کسی نوع کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دعائیں مانگتے رہو۔"

○ حق رفاقت:۔

حق رفاقت کی رعائت اور حاجتمندوں کی حاجت روائی کا آپ کو خاص خیال رہتا اور عملاً اس کے لئے کوشاں رہتے۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی جو ہندوؤں سے احمدی ہوئے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔

"کہ حضور کے دار میں کچھ تازہ تعمیر شدہ دالان میں سونے کا موقع ملا۔ شدید سردی کا موسم۔ بستر معمولی شدت سردی اور پورا بستر نہ ہونے کے باعث نیند نہ آئی۔ کروٹ لے لے کر رات گزار دی اچانک رات دو بجے کے قریب حضور کا آنا ہوا اور میری حالت کا مشاہدہ کیا اپنا پوستین ڈال کر چلے گئے۔ خوب گرم ہوا اور نیند آگئی۔ نماز صبح کے بعد جب تشریف لائے تو فرمایا:۔

"آپ نے تکلف کر کے تکلیف اٹھائی۔ بستر کم تھا تو کیوں ہم کو اطلاع نہ کی۔ شرط موت کی لگانا اور رنگ اجنبیت کا دکھانا ٹھیک نہیں۔ جب آپ نے وطن چھوڑا۔ ماں باپ چھوڑے گھر بار چھوڑا۔ سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس آگئے تو آپ کی ضروریات ہمارے ذمہ ہیں۔"

حضور اقدس نے مولوی حکیم فضل دین صاحب کو تاکید کی ان کو ساتھ لے جائیں اور ان کی حسب پسند بستر آج

ہی بنوا دیں۔"

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی اپنی روایت ہے۔

"گرمی کا موسم تھا اہل خانہ (حضور کے اہل) لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔ حضور کو ملنے اندر چلا گیا۔ کمرہ نیا نیا بنا تھا۔ اور ٹھنڈا تھا۔ چارپائی پر سو گیا۔ نیند آئی اور خوب آئی۔ حضور کچھ تصنیف فرما رہے تھے اور ٹہل رہے تھے۔ چونک کر جاگا تو دیکھا کہ حضور میری چارپائی کے پاس نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ گھبرا کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ محبت سے پوچھا۔ مولوی صاحب! آپ کیوں اٹھ بیٹھے! حضور نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اوپر کیسے سو سکتا ہوں۔ حضور نے مسکرا کر فرمایا۔

"آپ بے تکلفی سے لیٹے رہیں۔ بچے شور کرتے تھے میں ان کو روکتا تھا۔ میں آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے۔"

قارئین اندازہ لگائیں حق رفاقت شفقت اور خدمت کا کیسا پیارا انداز ہے۔

○ انسانیت کی عظمت و احترام:۔

انسانیت کی عظمت و احترام کا آپ کو خاص احساس تھا اور ہر ایسے کردار کو جو انسانیت کی عظمت و احترام کے خلاف ہوتا اس سے پورے جذبہ کے ساتھ نفور کا اظہار فرماتے۔ لاہور شہر کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ جب لاہور تشریف لے گئے تو وہاں کے چند مخلص فدائیوں نے فیصلہ کیا کہ حضور جس بگھی سے تشریف لے جائیں اس بگھی کو بجائے گھوڑوں کے یہ مخلص فدائی نوجوان خود بگھی کو لے جائیں گے۔ چنانچہ محترم بابو غلام محمد صاحب جو ریلوے میں فورمین تھے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ فیصلہ کیا کہ حضور کی دو گھوڑوں والی بگھی کو کھینچ کر لے جائیں اور بجائے گھوڑوں کو جوتنے کے وہ خود جت گئے حضور نے جب دیکھا کہ نوجوان بگھی کو کھینچنے لگے ہیں تو سخت ناپسند فرمایا اور اس طریق سے روکتے ہوئے فرمایا۔

"ہم انسانوں کو حیوان بنانے کیلئے نہیں آئے بلکہ حیوانوں کو انسان بنانے کیلئے آئے ہیں۔"

حضور اقدس کے اس ردعمل کو دیکھتے ہوئے ان مخلص نوجوانوں نے گھوڑوں کو جوت دیا اور پھر آپ اس بگھی سے روانہ ہوئے۔

○ انسانی مساوات کا خیال:۔

حضور اقدس کی سیرت میں یہ بات بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ انسانی مساوات کا آپ کو خاص خیال رہتا۔ بلا امتیاز تمام انسانوں کو انسانیت کے لحاظ سے برابر کے انسان سمجھتے اور فرماتے۔

"میرے مرید خواہ غریب ہوں یا امیر ان سب کے ساتھ میرا ایک جیسا تعلق ہے"

حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کی روایت ہے کہ ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر حضور نے فرمایا "سب کو ایک جیسا کھانا دیا جائے" مکرم خواجہ کمال الدین صاحب جو اس مجلس میں موجود تھے کہنے لگے حضور بعض غربا کو تو دال بھی میسر نہیں ہوتی۔ دال کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا

"دوسروں کو گوشت یا پلاؤ کھاتے دیکھ کر تو ان کے دل میں بھی خواہش ہوتی ہے کہ ہمیں بھی گوشت یا پلاؤ ملے۔ اس لئے سب کو ایک جیسا کھانا دیا جائے۔ گوشت پلاؤ دو تو سب کو دو۔ دال دو تو سب کو دو۔ میرے مرید خواہ

غریب ہوں یا امیر میرا ان سب کے ساتھ ایک جیسا تعلق ہے۔" (حیات بقاپوری)

انسانیت کے احترام اور مساوات کے جذبہ سے بلاامتیاز مذہب و ملت آپ کا ہر فرد سے ہمدردی کا رویہ تھا۔ کئی بار فرمایا۔

خدا تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا چاہئے۔"

ایک موقع پر خاص جذبہ سے فرمایا: میں کسی شخص کا دشمن نہیں۔ میرا دل ہر انسان اور ہر قوم کی ہمدردی سے معمور ہے۔

ایک دفعہ بڑے درد سے اس بات کا اظہار فرمایا۔

"میں ان لوگوں کو بہت برا جانتا ہوں جو دین کی آڑ میں کسی غیر قوم کی جانی، مالی ایذا روا رکھتے ہیں۔"

حضور کا یہ دلربا وعظ ہی نہیں تھا بلکہ ساری زندگی اس کے مطابق آپ کا عمل بھی تھا۔ مرزا نظام الدین صاحب جو رشتہ میں حضور کے چچا زاد بھائی تھے۔ مگر سخت مخالف اور ہر موقعہ پر اذیت پہنچانے میں مستعد۔ ہر لحہ آپ کیلئے تکلیف کا باعث بنتے انہوں نے ہی بیت کے سامنے دیوار چنوا دی تھی تا حضور کے خدام کو بیت میں آنے کی تکالیف ہو۔ کوئی موقع دیکھو اور تکلیف پہنچانے کا وہ ضائع نہ کرتے۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے۔ قادیان میں اس وقت کوئی اور طبیب نہ تھا۔ مرزا نظام الدین کے عزیزوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع بھجوائی۔ باوجود سخت مخالفت کے آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے۔ تشخیص کی مناسب علاج تجویز کیا۔ جس سے بفضل خدا فائدہ ہوا اور وہ صحت یاب ہو گئے۔ برادرانہ سلوک اور انسانیت کے جذبہ سے خدمت کا یہ کیسا شاندار مظاہرہ ہے۔ یہ سارا واقعہ حضرت اماں جان کا بیان کردہ ہے۔

○ دلداری اور غریب نوازی:۔

دلداری اور غریب نوازی بھی آپ کا خاص وصف تھا۔ کئی مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں۔ نمونتہً ایک دو لکھتا ہوں۔ ایک دفعہ حضور سیر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ ایک غریب حافظ قرآن نے آپ سے مصافحہ کیا اور عرض کیا حضور ذرا کھڑا ہو جائیں۔ میں نابینا ہوں۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگا کہ میں آپ کا عاشق ہوں اور چاہتا ہوں کہ غفلت دور ہو" آپ نے فرمایا

"نماز اور استغفار دل کی غفلت کا عمدہ علاج ہے۔ نماز میں دعا کرنی چاہئے اے اللہ مجھ میں میرے گناہوں میں دوری ڈال دے۔ صدق سے دعا کرتا رہے تو یقینی بات ہے کسی وقت منظور ہو جائے۔"

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی روائت ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ بات عام طور پر نظر آتی کہ غربا کی جماعت سے آپ بہت محبت کرتے ان کی دلداری کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ غریب بظاہر میلے کچیلے کپڑوں میں نظر آتے ہیں۔ مگر میں ان کو دیکھتا ہوں کہ خدمت دین کے جوش سے ان کے دل لبریز ہیں۔" (الحکم ۱۷ فروری ۱۹۳۶ء)

حضرت حافظ شیخ حامد علی صاحب کو حضرت اقدسؑ سے بہت ہی قریب کا مقام حاصل تھا۔ آپ نے ان کی خدمت کی قدر دانی کرتے ہوئے فرمایا۔

"جیسی خدمت شیخ حامد علی نے کی ہے وہ میری خدمت کسی دوسرے نے نہیں کی۔ ہمیشہ میرے ساتھ رہا جنت میں بھی میرے ساتھ اسی طرح ہوگا۔"

یہ خوشخبری بہت ہی کم لوگوں کو آپ کی زبان مبارک سے ملی ہے۔ اکثر سفروں میں حضور کی خدمت کیلئے ساتھ رہے۔ جب حضور دہلی شادی کیلئے تشریف لے گئے تو حضرت شیخ حامد علی صاحب کو بھی حضور ساتھ لے گئے۔ ایک سفر میں حضور نے اصرار سے گھوڑی پر سوار کرا لیا اور خود حضور گھوڑی کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ اپنے خدام کے ساتھ یہ

شفقت اور سلوک۔

دلداری، غریب نوازی کا ایک اور نظارہ ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت قریبی ساتھی حضرت منشی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ

ایک دفعہ حضور مغرب کی نماز کے بعد بیت مبارک کی اوپر کی چھت پر چند مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت میاں نظام دین صاحب جو لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ بہت غریب، کپڑے بھی پھٹے پرانے تھے حضور سے چار پانچ آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں چند معزز آکر حضور اقدس کے قریب بیٹھنے لگے اور ہر دفعہ میاں نظام الدین صاحب کو پرے ہٹنا پڑا۔ حتی کہ وہ ہٹتے ہٹتے جوتیوں کی جگہ پر پہنچ گئے۔ اتنے میں کھانا آیا تو حضور جو یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے سالن کا ایک پیالہ اٹھایا اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں لیکر میاں نظام دین صاحب سے فرمایا۔

"آؤ! میاں نظام دین ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔"

یہ فرما کر حضور اور میاں نظام الدین صاحب نے اندر اکٹھے بیٹھ کر ایک ہی پیالہ میں سے کھانا کھایا۔ حضرت میاں نظام الدین صاحب جو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ اور جو لوگ میاں نظام الدین صاحب کو عملاً پرے دھکیل کر حضور کے قریب بیٹھ گئے وہ شرم سے کٹے جاتے تھے۔"

○ معاندین سے مروت:۔

حضور اقدس کا حسن سلوک اور خدمت اور ہمدردی کا رویہ اپنے خدام سے ہی نہ تھا۔ بلکہ معاندین اور خون کے پیاسے دشمنوں سے بھی آپ کا خاص مروت کا سلوک تھا اور عجیب انداز میں صبر و برداشت کا اسوہ تھا۔ لاہور شہر کا واقعہ ہے ایک مولوی آیا۔ آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ کر گندی اور غلیظ گالیاں دیتا رہا اور دیتا چلا گیا اور متواتر آخر تھک گیا۔ جب تھک گیا تو حضور نے فرمایا بس۔" مولوی بدزبان یہ سن کر سخت شرمندہ ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔ ایک معزز ہندو جو اس مجلس میں موجود تھے۔ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے اور جو کچھ مولوی گند بک رہا تھا سن رہے تھے۔ بے اختیار ہو کر کہنے لگے کہ مسیح ناصری کے متعلق سنا تھا کہ وہ بہت نرم مزاج تھے۔ آج جو کچھ دیکھا پہلی روائت پر یقین آیا۔ اور مرزا صاحب کو مسیح ناصری سے بڑھ کر صابر پایا۔ اللہ اللہ کیا صبر اور کیا برداشت تھی۔

لاہور کا ہی ایک اور واقعہ ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی بیان کرتے ہیں۔ ایک لحیم و شحیم شخص نے جب کہ حضور اقدس لاہور کی کسی مقامی البیت سے فریضہ نماز ادا کر کے واپس آرہے تھے تو اس قوی ہیکل شخص نے آپ پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اچانک کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر زمین پر زور سے گرانے اور مارنے کی کوشش کی۔ اس اچانک حملہ سے حضور ڈگمگا گئے۔ عمامہ گرتے گرتے بچا۔ سیالکوٹ کے مخلص دوست سید امیر علی شاہ صاحب نے فوراً اسے پکڑ لیا اور چند اشخاص اسے مارنے لگے۔ حضور نے دیکھا تو فرمایا بڑی نرمی اور مسکراہٹ سے۔ جانے دیں اسے کچھ نہ کہیں۔ بے چارہ سمجھتا ہے کہ ہم نے اس کا عہدہ چھین لیا ہے۔"

○ بلا تمیز مذہب و قوم نیکی کی تلقین:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ فطرت میں یہ بات تھی اور سب کا مذہب جس کا آپ نے اپنے اس پاکیزہ شعر میں ذکر فرمایا ہے۔

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اور اپنی ایک تقریر میں بھی یہ تلقین فرمائی۔

"یقیناً یاد رکھو کہ مومن متقی کے دل میں شر نہیں ہوتا۔ مومن جس قدر متقی ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ کسی کی نسبت سزا اور ایذا کو پسند نہیں کرتا۔ مسلمان کبھی کینہ پرور نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوسری قومیں ایسی کینہ پرور ہوتی ہیں کہ ان کے دل سے دوسرے کی بات کینہ کی بھی کبھی نہیں جاتی اور بدلہ لینے کی ہمیشہ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مخالفوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ کوئی دکھ اور تکلیف جو وہ پہنچا سکتے تھے انہوں نے پہنچایا۔ لیکن پھر بھی ان کی ہزاروں خطائیں بخشنے کو ہم اب بھی تیار ہیں۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلاتمیز مذہب و قوم ہر ایک سے نیکی کرو۔" (تقریریں صفحہ۲۹)

حضور اقدس خدا کے مقبول و محبوب مسیح موعود کا یہ صرف خوبصورت اور دل آویز خطاب ہی نہ تھا بلکہ عمل بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ چند واقعات آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں۔ ایک دو مزید حضور اقدس کے اس اعلیٰ خلق اور نیک سیرت کے واقعات ملاحظہ فرمائیں۔ مارٹن کلارک عیسائی پادری کے مشہور مقدمہ میں جو انتہائی درجہ کا سنگین مقدمہ تھا۔ حضرت اقدس کو آپ کے دشمن عیسائی پادری، ہندو اور متعصب مولوی پھانسی پر لٹکا دیکھنا چاہتے تھے۔ جب یہ سارا مقدمہ کپتان ڈگلس کی عدالت میں سماعت ہو چکا اور منصف جج نے حضرت اقدس کو اپنی عدالت میں عزت سے کرسی پیش کی اور آپ کی بریت کا فیصلہ سنایا اور دشمنوں کی تمام سازشوں اور منصوبوں کو پارہ پارہ کر دیا اور حق و صداقت کا ساتھ دیتے ہوئے جج موصوف نے حضور اقدس سے یہ کہا "مرزا صاحب اگر آپ چاہیں تو مارٹن کلارک کے خلاف مقدمہ کر سکتے ہیں۔" اس دشمن اسلام کے متعلق حضرت اقدس نے عادل و منصف جج کی ترغیب کے باوجود اس کے ریمارکس سنکر فرمایا۔

"ہم کوئی مقدمہ نہیں کرنا چاہتے ہمارا مقدمہ آسمان پر ہے۔"

اللہ اللہ کس قسم کا یہ پاکیزہ دل تھا جس کے پیاسے خون کے پیاسے دشمن کے متعلق بھی یہ رافت و مرحمت!!!

اسی عدالت کا ایک اور واقعہ اور خدا کے مقبول مسیح موعود کا دل آویز اقدام اور وہ بھی جان و عزت کے دشمن کے بارہ میں یہ دشمن تھا مولوی محمد حسین بٹالوی جو حضرت مسیح موعود کے خلاف پادریوں کی حمایت میں گواہی دینے کیلئے آیا۔ حضور کے وکیل مولوی فضل دین صاحب پلیڈر ہائی کورٹ نے جب مولوی صاحب کی گواہی کو کمزور ثابت کرنے کیلئے ان کے حسب و نسب کے متعلق ایک خاص قسم کا سوال کرنے کا ارادہ کیا تو فوراً حضرت اقدس نے اپنے وکیل کو ایسے سوال کرنے سے سختی سے روک دیا اور فرمایا - "میں ہر گز اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

مولوی فضل دین صاحب وکیل جو احمدی نہ تھے اپنی مجلسوں میں اپنے ملنے جلنے والوں میں حضرت اقدس کے اس بے مثال اعلیٰ اخلاق اور حسن سلوک کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے اکثر کرتے کہ شدید معاند اور مخالف جو آپ کے خلاف مقدمہ قتل میں بطور گواہ پیش ہو رہا ہے۔ قانونی لحاظ سے ہر طرح کا حق ہونے کے باوجود آپ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کے حسب و نسب کے خلاف سوال کرنے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ بعض عیوب ظاہر ہوتے تھے۔

دشمنوں سے حسن سلوک ان کی عزت کی پاسداری اور چشم پوشی کا کیسا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کئی ہیں جو اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے خلاف بھی زبان کی درانتی چلانے سے باز نہیں آتے اور ایک طرف خدا کے مقبول مسیح موعود کا یہ پاکیزہ دلربا نمونہ ہے کہ جان کے دشمن سے بھی حسن سلوک اور عفو در گزر۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس وجود پر جس نے دشمنوں کی عزت کی بھی حفاظت فرمائی۔

عیسوی ملینئم پر خاص

مسیح موعودؑ اور کسرِ صلیب

مکرم مولوی محمد عمر صاحب مبلغ انچارج کیرلہ

دو ہزارویں سال کے شروع سے بیسویں صدی کو الوداع کہنے اور اکیسویں صدی کے استقبال کیلئے عیسائی دنیا نے خاص طور پر سارے عالم میں خوشی اور مسرتوں کا جشن منایا ہے۔ اس لئے انہوں نے اربوں ڈالر آتش بازی شراب نوشی قمار بازی اور رقص و سرور کی محفلوں میں اُڑائے۔ صرف Central London میں دریائے Themes کے آس پاس تقریباً دس لاکھ پاؤنڈ کی آتش بازی چھوڑی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق اُس رات تیس لاکھ شیمپین کی بوتلیں پی گئیں۔ اور تین کروڑ Pints بیئر استعمال کی گئی۔ صبح کے وقت ویسٹ منسٹر کونسل لندن نے ۲۲ ٹن شراب کی خالی بوتلیں جو لوگوں نے پی کر سڑکوں اور پارکوں میں پھینک دی تھیں اُٹھائیں۔ اس کے علاوہ شہر سے ایک سو پچاس ٹن کوڑا اُٹھایا گیا۔ (الفضل انٹر نیشنل)

اس کے بالمقابل عالمگیر جماعت احمدیہ تشکر الٰہی سے لبریز قلوب کے ساتھ آستانۂ الوہیت پر سر رکھ کر خداتعالیٰ کا شکر بجالاتی رہی کہ خداتعالیٰ نے انہیں مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اور اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہت ساری پیشگوئیاں پوری ہوتے ہوئے دیکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ دو ہزارواں سال عیسائی دنیا کیلئے خوشی کا جشن منانے کا نہیں تھا بلکہ ماتم کرنے کا سال ہے۔ اس لئے کہ پچھلی صدی میں عیسائی دنیا یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ وہ ساری دنیا کو خاص کر اسلامی دنیا کو عیسائیت کی آغوش میں لے آئے گی۔ پچھلی صدی کی ابتداء میں پادریوں کو اپنے مقصد کی تکمیل اور کامیابی پر اتنا پختہ یقین پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یہاں تک دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ قاہرہ دمشق اور طہران کا شہر خداوند یسوع کے خدام سے یعنی عیسائیوں اور اُن کے پادریوں سے بھرے بھرے نظر آئینگے۔ ان اسلامی ممالک میں ایک مسلمان بھی نظر نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ کعبۃ اللہ میں صلیب نصب کی جائے گی۔ عیسائی مشن اپنی کامیابیوں کو دیکھ کر یہاں تک دعویٰ کر بیٹھا تھا کہ

All the progress which the 19th century has achieved appears to many christians but a faint prophecy of the Christian victories which await the 20th century. (Barrows Lectures P.23)

یعنی وہ تمام ترقیات جو عیسائیت کو انیسویں صدی میں حاصل ہوئیں وہ بہت سے عیسائیوں کے نزدیک اُن فتوحات کی ایک خفیف سی جھلک ہے جو عیسائیت کو بیسویں صدی میں ملنے والی ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں اور عیسائیت کا جو نقشہ عیسائیوں نے خود کھینچا ہے وہ اِس طرح کا ہے جیسا کہ پادری عمادالدین نے لکھا:-

عیسوی مذہب کیلئے اگرچہ ایک صورت تو ہے۔ مگر اس میں جان ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک مردہ دین ہے۔ یا ایک پُتلا ہے جو آدمی نے بڑی کاریگری سے بنایا۔ مگر اس میں جان نہ ڈال سکا۔ (تعلیم محمدی صفحہ ۲۵ مطبوعہ ۱۸۸۰)

گویا کہ ایک طرف مسلمان اور اسلامی دنیا کی یہ حالت تھی کہ وہ بے جان جسم بن کر رہ گیا تھا تو دوسری طرف پادریوں کو اپنی جاہ و جلال دنیاوی اقتدار اور حکومت برطانیہ کی مدد اور نصرت کے بل بوتے اپنی کامیابیوں پر پورا یقین اور اعتماد تھا۔

اس حالت کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس طرح کھینچا ہے کہ

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دین حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدین

لیکن وہ خدا جس نے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کہہ کر مذہب اسلام کو ساری دنیا کیلئے اپنا مذہب قرار دے کر لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا وعدہ فرمایا تھا کیا اُسے ہمیشہ کیلئے تباہ و برباد ہونے دیگا؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

چنانچہ خداتعالیٰ نے آج سے ۱۴۰۰ سال قبل حضرت مخبر صادق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی ہولناک زمانہ کا نقشہ کھینچنے کے بعد یہ بشارت دی تھی کہ وہ ساری دنیا میں اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ بخشے گا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ۔

یعنی مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ضرور مسیح نازل ہونگے۔ جو حکم و عدل بن کر آئینگے۔ اور صلیب کو توڑینگے۔ اور خنزیر کو قتل کرینگے اور جنگ و جدال کو موقوف کرینگے۔ (بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

اِس حدیث میں واضح رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم کام کسر صلیب بیان فرمایا ہے۔ کسر صلیب سے مراد جیسا کہ نام نہاد علماء اور ان کے چیلوں کا یہ گمان ہے کہ مسیح موعود آکر

ظاہری طور پر تمام دنیا میں صلیب کو توڑتے پھرینگے غلط ہے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے علامہ بدرالدین فرماتے ہیں:

المراد بکسر الصلیب اظہارُ کذبِ النصاریٰ۔ یعنی کسر صلیب سے مراد نصرانیت کے کذب کا ثابت کرنا ہے۔ (جلد نمبر ۵ صفحہ ۵۸۴)

اسی طرح شیعوں کی مشہور کتاب بحار الانوار میں تحریر ہے۔

یَکسِرُ الصَّلِیْبَ یُرِیْدُ اِبطَالَ النَّصرانِیَّۃِ بِشرعِ الْاِسْلام یعنی مسیح موعود کا صلیب توڑنے سے مراد عیسائی عقائد کا بطلان ثابت کرنا اور اسلامی شریعت کو مستحکم بنانا ہے۔ (جلد نمبر ۱۳ صفحہ ۱۹۸)

اِس کاسر صلیب کے ظہور کے متعلق سامری یہودیوں کے لٹریچرز میں لکھا ہے کہ وہ آدم کے چھٹے ہزار گزرنے پر ہوگا۔ (ملاحظہ ہو Encyclopedia Britannica 1969۔

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود کا ظہور صلیبی مذہب کے غلبہ کے وقت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح موعود کا عظیم کام کسر صلیب یعنی صلیبی مذہب کا بطلان قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب پیشگوئی کے مطابق صلیب کے غلبہ کا وقت آگیا تو خداتعالیٰ نے عین موقعہ پر اس کاسر صلیب و مبطل عیسائیت کو مبعوث فرمایا۔

اب آیئے! اور دیکھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائی عقائد کا کس طرح بطلان ثابت فرما کر عیسائیت کی عمارت پر زلزلہ پیدا فرمایا۔

عیسائیت کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ حضرت آدم اور حوّا نے جنّت کا ممنوعہ پھل کھا کر گناہ کیا تھا۔ اور یہ گناہ نسل انسانی میں سرایت کر گیا۔ اس وجہ سے ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اپنے ناکردہ گناہ کی صلیب گلے میں ڈال کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اب خدا کے عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ہر گناہ گار کو سزا دے۔ لیکن اُس کا رحم یہ تقاضہ کررہا ہے کہ اُسے سزا نہ دی جائے اور لعنتی بننے سے بچائے۔ اِس طرح خداتعالیٰ کا وجود ان دو متضاد تقاضوں یعنی عدل اور رحم کے درمیان ایک عرصہ دراز تک کشمکش میں رہا۔ بالآخر اُسے یہ انوکھی ترکیب سوجھی کہ اپنے بے گناہ اور اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیجا جائے اور تمام آدم زادوں کے گناہوں کو اُس بے چارے معصوم کے سر تھوپ کر ان سب کی طرف سے لعنت کا طوق یسوع کے گلے میں ڈال دیا جائے اور اِس لعنت کا طوق لے کر صلیب کے ذریعہ لعنتی موت سے مار ڈالا جائے۔ چنانچہ خدا نے اِس ترکیب کو عملی جامہ پہنایا۔

اس بارے میں پولوس کہتا ہے:-

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔

(گلتیوں ۱۳:۳)

عیسائیوں کے نزدیک خدا نے یہ تمام پاپڑ بیل اسلئے کیا تھا کہ اپنے عدل وانصاف کو دنیا میں قائم کرے۔ اور اسی طرح جو انسان ناکردہ گناہوں کا طوق لے کر پیدا ہوتا ہے اُسے گناہ سے چھٹکارہ دیا جائے۔

لیکن عیسائیوں کا خدا بھی ایک عجیب خدا ہے کہ گنہگاروں کو چھوڑ کر بے گناہ یسوع مسیح کو صلیبی موت کی لعنت سے دوچار کیا جائے۔ کیا یہی خدا کا عدل وانصاف اور رحم کا تقاضہ ہے۔

چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

اب اے مسلمانو سنو! اور غور سے سنو۔ کہ اسلام کی پاک تاثیروں کو روکنے کیلئے جس قدر پیچیدہ افتراء اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے اور پُر مکر حیلے کام میں لائے گئے اور اُن کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعے بھی جن کی تصریح سے اس مضمون کو منزہ رکھنا بہتر ہے اس راہ میں ختم کئے گئے۔ یہ کرسچن قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں کہ جب تک ان کے اس سحر کے مقابل پر خداتعالیٰ وہ پُر زور ہاتھ نہ دکھاوے جو معجزہ کی قدرت اپنے اندر رکھتا ہو اور اس معجزہ سے اس سحر کو پاش پاش نہ کرے تب تک اس جادوئے فرنگ سے سادہ لوح دلوں کو مخلصی حاصل ہونا بالکل قیاس اور گمان سے باہر ہے۔

سو خداتعالیٰ نے اس جادو کے باطل کرنے کیلئے اس زمانہ کے سچے مسلمانوں کو یہ معجزہ دیا کہ اپنے اس بندہ کو اپنے الہام اور کلام اور اپنی برکات خاصہ سے مشرف کر کے اور اپنی راہ کے باریک علوم سے بہرہ کامل بخش کر مخالفین کے مقابل پر بھیجا اور بہت سے آسمانی تحائف اور علوی عجائبات اور روحانی معارف و دقائق ساتھ دیئے۔ تا اس آسمانی پتھر کے ذریعہ سے وہ موم کا بُت توڑ دیا جائے جو سحر فرنگ نے تیار کیا ہے۔

سو اے مسلمانو! اِس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کیلئے خداتعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔ کیا ضرور نہیں تھا کہ سحر کے مقابل یہ معجزہ بھی دنیا میں آتا۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ بات عجیب اور انہونی ہے کہ خداتعالیٰ نہایت درجہ کے مکروں کے مقابلہ پر جو سحر کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک ایسی حقانی چمکار دکھاوے جو معجزہ کا اثر رکھتی ہو۔ (فتح اسلام صفحہ ۶-۵)

یہیں سے عیسائیت کا قلعہ جو ریت پر بنایا ہوا ہے متزلزل نظر آتا ہے۔

موجودہ عیسائیت کا دوسرا بنیادی عقیدہ حضرت یسوع مسیح کی صلیبی موت اور دوبارہ جی اُٹھنے پر موقوف ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تو صلیبی موت کے بعد اُن کے دوبارہ جی اُٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس صورت میں موجودہ عیسائیت ہی کالعدم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ پولوس رسول نے خود کہا ہے:

"اگر مسیح جی نہیں اُٹھا تو ساری منادی بھی بے فائدہ اور تمہارا ایمان بھی بے فائدہ۔ (کرنتھیوں نمبر ۱-۱۵: ۱۴)"

اسی طرح عیسائیت کے ایک مشہور امریکن منادڈاکٹرایس ایم زویمر لکھتے ہیں:

If our belief in the death of Christ on the cross is wrong, then the whole of christianity is a false.

یعنی اگر یسوع مسیح کی صلیبی موت کا ہمارا عقیدہ غلط ثابت ہو جائے تو ساری عیسائیت باطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

عیسائی عقیدہ کے مطابق اگر یسوع مسیح کی آمد کی غرض دنیا کو اُس موروثی گناہ سے نجات دلانے کیلئے صلیبی موت ہونا ہی تھا تو آپ کو اپنے مشن کی تکمیل کیلئے اور اپنی آمد کی غرض پوری کرنے کیلئے خود بخود بخوشی صلیب پر چڑھ کر جان دینا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے بالمقابل کیا ہوا؟ آپ واقعہ صلیب کے بارے میں بہت خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ اور نہایت گھبراہٹ اور عاجزی سے موت کے اِس پیالے کے ٹل جانے کیلئے رو رو کر دُعائیں کرتے اور اپنے شاگردوں سے کرواتے رہے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے:

"مسیح گھٹنے کے بل ٹیک کر یوں دُعا مانگنے لگا کہ اے باپ! اگر تو چاہے تو (موت کا) یہ پیالہ مجھ سے ہٹالے..... اُس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔ (لوقا ۲۲:۴۴)

اسی طرح لکھا ہے:

"یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی۔ یعنی میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی ۲۷:۴۶) گویا کہ حضرت مسیح صلیب پر جان دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس دردناک لعنتی موت سے بچنے کیلئے اضطراب کے ساتھ دُعائیں مانگتے تھے۔

اب عیسائی حضرات ہی اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں کہ ایک طرف اُن کا عقیدہ ہے کہ حضرت یسوع کا مشن صلیب پر جان دے کر دنیا کو گناہوں سے پاک کرنا تھا اور دوسری طرف حضرت مسیح صلیب پر مرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور دن رات پریشانی اور گھبراہٹ میں دُعا کرتے ہوئے گزار رہے تھے۔ یہ تضاد کیوں؟ کیا حضرت مسیح اپنی آمد کی غرض سے کوتاہی کر رہے تھے؟

ایک اور بات جو اس ضمن میں قابل غور ہے یہ ہے کہ کیا حضرت مسیح کی مذکورہ دُعائیں قبول ہوئی تھیں یا نہیں؟ اگر قبول ہوئی تھیں اور یقیناً قبول ہوئی تھیں تو آپ صلیب پر نہیں مر سکتے تھے۔ اگر آپ کی دُعائیں قبول نہیں ہوئیں تو آپ کی صداقت اور راست بازی پر حرف آتا اور آپ گنہگار ثابت ہوتے۔ کیونکہ انجیل کہتی ہے:

"خدا گنہگاروں کی نہیں سنتا۔ لیکن اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پر چلے تو وہ اُس کی سنتا ہے۔ (یوحنا ۹:۳۱)

یہی نہیں بلکہ یسوع مسیح تو اپنے شاگردوں کو بھی نصیحت فرماتے ہیں کہ:

"اگر وہ یقین اور ایمان کے ساتھ خدا سے دُعائیں کرینگے تو وہ ضرور ان کی سنے گا۔ اور اُن کی تمام مرادیں پوری کریگا۔ (چنانچہ متی ۲۱:۲۲)

مرقس (۱۱:۲۴) اور لوقا (۱۷:۶) میں اِس قسم کی نصیحتیں درج ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح کی صلیبی موت سے بچنے کی دُعائیں خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی تھیں یا نہیں؟ اگر قبول نہیں ہوئی تھیں اور مسیح صلیب پر مر گئے تھے تو حضرت مسیح کا راست باز ہونا محال ہو جاتا ہے۔ اور یہود کو سچا ٹھہرانا پڑتا ہے اور اگر یہ دُعائیں قبول ہوئی تھیں تو پھر عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح صلیب پر مر کر ملعون قرار پائے اور اِس طرح عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے سراسر جھوٹی کہانی بن کر رہ جاتی جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

انجیل کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت مسیح کی دُعائیں ضرور قبول فرمائی تھیں اور اس طرح آپ کو صلیب کی دردناک اور لعنتی موت سے نجات عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ انجیل کہتی ہے:

اُس نے (حضرت مسیح نے) اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُس سے دُعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اُس کی سُنی گئی (عبرانیوں ۵:۷)

اس طرح لکھا ہے:-

یسوع نے آنکھیں اُٹھا کر کہا اے باپ! میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سُن لی۔ اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے۔ (یوحنا ۱۱:۴۱)

گویا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کی دُعائیں سُن لیں۔ اور اُنہیں قبولیت کا شرف بخشا اور اُنہیں صلیبی موت سے نجات عطا فرمائی۔ اس طرح عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کا بطلان ثابت ہوا۔

حضرت یسوع مسیح کا جو صلیبی واقعہ ہوا اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ اس کی مختصر تفصیل ذیل میں درج ہے۔

یہودیوں نے مسیح کو جب پکڑ کر پلاطوس نامی حاکم کے سامنے پیش کیا جو درحقیقت دل سے یسوع مسیح کا معتقد اور خیر خواہ تھا اُس نے مسیح کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی یعنی جس دن مسیح کو صلیب دیا جانا مقرر کیا گیا تھا اُس کے دوسرے دن یہودیوں کا ایک خاص تہوار تھا اور یہ دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا تھا۔ اُس وقت کوئی بھی صلیب پر لٹکایا نہیں جا سکتا تھا۔

جب یہودی مسیح کو لیکر مقام صلیب پر پہنچے تو اُس وقت چھٹا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا۔ یعنی شام کے تین چار بجے کا وقت تھا۔ یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق اُس خصوصی سبت کے دن اگر کوئی صلیب پر لٹکایا گیا تو خدا کا غضب نازل ہو جاتا۔ اِدھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس وقت یکدم ایسی زور کی آندھی چلی کہ جس سے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا (مرقس ۱۵:۳۳) یہ دیکھ کر یہودی اور گھبرا گئے۔ اور اُنہوں نے پلاطوس سے درخواست کی کہ اُن کو اُتار لیا جائے۔ (یوحنا ۱۹:۳۱)

اِس طرح مسیح کے صلیب پر لٹکے رہنے کا کُل وقت تین ساڑھے تین گھنٹے بنتا ہے۔ اُس مختصر وقفہ میں کوئی بھی صلیب پر نہیں مر سکتا۔

حضرت مسیح کو صلیب سے اُتارے جانے کے بعد آپ کا جسم آپ کے دوستوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ دُشمنوں کے نہیں (یوحنا ۱۹:۲۸)

یہ بھی ایک طریقہ ہوتا تھا کہ جو صلیب پر سے اُتارا جاتا ہے اُس کے پاؤں کی ہڈیاں توڑی جاتی تھیں مگر پہرے داروں نے جو آپ کے خفیہ مریدوں میں سے تھے آپ کے پاؤں کی ہڈیاں نہیں توڑیں۔ جب مسیح کو صلیب سے اُتارا گیا تو ایک سپاہی نے آپ کے پہلو میں آہستہ سے نیزہ مار کر دیکھا تو اُس میں سے بہتا ہوا خون نکل آیا۔ (یوحنا ۱۹:۳۴)

یہ بات آپ کی زندگی کی علامت تھی۔ یعنی آپ کو صلیب پر سے اُتارا گیا تو آپ کے جسم میں خون دوڑ تا تھا۔ آپ کو صلیب پر سے اُتارے جانے کے بعد آپ کے شاگرد و معتقد یوسف آرمیتیا نے ایک قبر نما کمرہ میں لے جا کر رکھ دیا۔ وہ قبر ایک کھلی کوٹھری تھی جو زمین کے اندر کھودی ہوئی تھی۔ (متی ۳۳:۱)

بفضلہٖ تعالیٰ خاکسار کو اپنے قیام فلسطین کے دوران اِس قبر نما کمرے کو دیکھنے کی توفیق ملی تھی۔ ایک باریک اور تیرو تار رستے سے نیچے تہ خانہ میں جانا ہوتا ہے۔ اُس تہ خانہ کے اندر وسیع کمرہ تھا جہاں آپ کا علاج تین دن رات ہوتا رہا تھا۔ اس کے بعد آپ بھیس بدل کر باہر نکلے۔ جب آپ اپنے حواریوں کے پاس آئے تو اُنہیں یقین نہیں آیا کہ واقعی وہ اُن کے یسوع مسیح ہیں۔ اس پر آپ نے کہا کہ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ تو انہوں نے مچھلی کا ایک ٹکڑا اور کچھ شہد کھانے کو دیا۔ آپ نے اُن کے سامنے کھایا نیز آپ نے اپنے شاگردوں کو اپنے زخم دکھائے جو صلیب دیئے جاتے وقت آپ کے ہاتھوں اور پیروں میں لگ گئے تھے۔ اس طرح آپ نے اُنہیں یقین دلایا کہ آپ مسیح ہی ہیں اور کوئی روح وغیرہ نہیں۔ (یوحنا ۲۹-۲۴:۲۰)

ان تمام واقعاتِ مسلسل سے عیاں ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے تھے۔ اور آپ نے صلیب پر جان نہیں دی تھی۔

آج ہمیں جو تحقیقات اور جدید انکشافات نظر آ رہی ہیں وہ سب کی سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم مہم کسر صلیب کی کڑیاں ہیں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"پس ضرور تھا کہ آسمان اُن اُمور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا ہر ایک کی آنکھ کھلے گی اور غور کرنے والے غور کرینگے۔ کیونکہ خدا کا مسیح آ گیا ... اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے گی۔ کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منوّر کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اِس روشنی سے حصہ لے۔ (مسیح ہندوستان میں)

حضرت یسوع مسیح کو صلیب پر سے اُتارے جاتے وقت اُن کے اوپر جو چادر لپیٹی ہوئی تھی وہ اٹلی کے شہر ٹورن (Turin) میں اب بھی موجود ہے۔ صلیب سے اُتارے جانے کے بعد جسم پر خون کے مختلف دھبے اور جسم پر لگائی گئی مرہم کے نشانات اس چادر پر چسپاں ہیں۔ موجودہ زمانہ کی نہایت طاقتور اور ترقی یافتہ فوٹو گرافری کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر ثابت کی گئی ہے کہ مسیح کو جب صلیب پر سے اُتارا گیا تو آپ اُس وقت زندہ تھے۔

بمبئی سے شائع ہونے والے Times of India کی ۲۲ مارچ ۷۲ء کی اشاعت میں اس سلسلہ میں ایک تحقیقی مقالہ شائع ہوا تھا جس میں اِس چادر کے بارے میں تفصیلی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مغربی جرمنی کے مصنف Kurt Burna یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کفن پر خون کے دھبے اس بات کے ثبوت ہیں کہ مسیح کو جب صلیب سے اُتارا گیا تھا تو اُس وقت آپ زندہ تھے۔

برنا کہتے ہیں کہ اس کے یہ انکشافات یہودیوں کو اس الزام سے بری کرتے ہیں کہ انہوں نے مسیح کو صلیب پر مار دیا تھا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف "مسیح ہندوستان میں" میں نہایت واضح اور ناقابل تردید تاریخی شواہد کے ذریعہ یہ ثابت فرمایا کہ حضرت مسیح صلیبی واقعہ کے بعد مشرقی علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے اور فارس اور افغانستان تبت وغیرہ ہوتے ہوئے کشمیر تشریف لے گئے جو ربوہ ذات قرار اور معین تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے خبر دی تھی کہ و آوینھما الی ربوۃ ذات قرار و معین (۲۳:۵۱)

اور ایک فرمان نبویؐ کے مطابق آپ وہاں ایک سو بیس سال کی عمر پا کر وفات پا گئے اور آپ کی قبر کشمیر کے سری نگر میں محلہ خانیار میں موجود ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی مشہور کتاب Glimpses of world History کے پہلے حصہ میں لکھتے ہیں:

All over central Asia in Kashmir and Ladaak and Tibet and even further north there is still a strong belief that Jesus or Isa travelled about there. Some believe that he visited India also...... But there is nothing inherently improbable in his having so.

یعنی پورے وسط ایشیا - کشمیر - لداخ اور تبت میں بلکہ اس سے بھی پرے شمالی علاقوں میں آج بھی لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یسوع یا عیسیٰ سفر کرتے ہوئے ان علاقوں میں بھی آئے تھے اور بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ ہندوستان بھی تشریف لائے تھے .... آپ کے ان علاقوں میں آنے کو بعید از قیاس یا غیر اغلب قرار نہیں جا دیا سکتا۔ (صفحہ ۱۳۰)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِس انکشاف کے بعد مختلف مؤرخوں اور محققوں نے جدید تحقیقات کے ذریعہ اِس حقیقت کو واضح کر کے دنیا کے سامنے رکھا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے تھے۔

اِس طرح بقول پولوس رسول کے اگر یسوع مسیح کا صلیب پر سے زندہ اُتارا جانا ثابت ہو جائے ساری عیسائیت باطل ہو کر رہ جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے عہد مبارک میں ایک امریکی فلم ٹیم نے The Quest of Jesus (یسوع مسیح کی تلاش میں نامی فلم کی تیاری کے سلسلہ میں ہندوستان اور پاکستان میں دورہ کیا تھا۔ اور یہ ٹیم ربوہ میں بھی گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے بھی اُنہیں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ حضور اقدسؒ نے حضرت مسیح کی صلیبی موت سے نجات کے بارے میں اس ٹیم سے تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد اُن سے دریافت فرمایا کہ اگر آپ کو یہ بات واضح ہو جائے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ طبعی موت مرے تھے اور آپ کی قبر کشمیر میں موجود ہے تو کیا آپ اِس حقیقت سے دنیا کو روشناس کرینگے؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اِس فلم کی تیاری میں جو بھاری رقم خرچ ہوئی ہے برباد کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

غرضیکہ یہ کسر صلیب کے ظہور کا زمانہ ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ جبکہ عیسائی پادری بڑے فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ

A faint prophecy of the Christian activies which await the 20th Century.

یعنی بیسویں صدی میں ساری دنیا میں عیسائیت کا عظیم الشان غلبہ ہوگا۔ لیکن آج وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ

Christianity is going down the hell very fast.

کہ چرچ کیلئے اِس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ عیسائیت بڑی تیزی سے تنزل کی طرف جا رہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کہ یاد رکھو جھوٹی خدائی یسوع کی جلد ختم ہونے والی ہے۔

نہایت شاندار رنگ میں پوری ہوئی ہے۔

مسٹر ایڈوین لوئیز (Mr. Edvin Luis) جو امریکہ میں ایک مذہبی ادارے کے پروفیسر ہیں لکھتے ہیں:

”بیسویں صدی کے لوگ مسیح کو خدا ماننے کیلئے تیار نہیں حتی کہ عیسائی حلقوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ اگر فوری طور پر عیسائیت کو اس کے مروجہ غلط عقائد سے پاک نہ کیا گیا تو عیسائیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

Now in the tune to renew while there are still people in the church to renew with (Christian Century Bishop Trice)

یعنی اب جبکہ لوگ عیسائیت میں موجود ہیں اس وقت عیسائیت کی اصلاح کر لینی چاہئے۔ یعنی ان غلط عقائد کی وجہ سے لوگ عیسائیت کو چھوڑ دینگے تو اس کے بعد اس کی اصلاح کے کوئی معنی نہیں۔

ایک اور کتاب Man and his destiny in great religions میں اس کے مصنف سامویل جارج فریڈ لکھتے ہیں:

I believe we have in herited a form of Christianity which one may well question us to whether it was original and whether it has developed on the right liness.

یعنی میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں عیسائیت کی ایسی شکل ورثہ میں ملی ہے کہ جس کے متعلق بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا یہ اصل عیسائیت ہے بھی یا نہیں۔ یا اس نے صحیح خطوط پر نشو ونما پائی ہے۔

حال ہی میں شائع شدہ ایک خبر کے مطابق سات کروڑ عیسائیوں کے روحانی راہنما Cautonbery Arch Bishop نے اِس بات کا اظہار کیا ہے کہ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یسوع مسیح آسمان کی طرف اُٹھائے گئے تھے۔

۱۹۸۹ء مارچ ۱۱ر تاریخ کو امریکہ کے Sanfransisco شہر میں ایک صد عیسائی علماء اور محققین تاریخ نے ایک سیمنار منعقد کیا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل ریزولیشن پاس کیا ہے کہ

Jesus Christ never promised to return and Usha in a new age as the leader of Gods kingdom.

یعنی یسوع مسیح نے کبھی بھی یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ بنفسہ دوبارہ اِس دنیا میں آکر خدائی بادشاہت کی قیادت کرینگے۔

خدارا غور فرمائیں کہ کہاں تو یہ حالت تھی کہ عیسائیت مکہ مکرمہ میں گھس کر صلیب کی چمکار پیدا کرنے اور خاص کعبۃ اللہ میں صلیب نصب کرنے کی خواب دیکھ رہی تھی کجا یہ حال کہ خود صلیب کی چمکار اُن کے اپنے گھروں سے اور گرجاؤں سے رخصت ہو رہی ہے۔

آج صلیب کے ٹکڑے خود ابنائے صلیب کر رہے ہیں۔ آج عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اُڑنے لگا ہے۔

جی ہاں - اکیسویں صدی عیسائیت کیلئے ماتم کی صدی ہے نہ کہ اُن کیلئے خوشیاں اور جشن منانے کی صدی!!

حضرت مسیح موعودؑ نے سچ فرمایا تھا ۔

کہتے ہیں تثلیث کو اب اہل دانش الوداع
پھر ہوئے ہیں چشمہ توحید پر از جاں نثار

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صاحب

حضرت مسیح موعود کی ایک عظیم الشان پیشگوئی

"تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد"

حضرت مسیح موعود 'وقت کے امام کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں-

"امام الزماں اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے- اور اس کے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے- کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں...... اور امام الزمان کی الہامی پیشگوئیاں اظہار علی الغیب کا مرتبہ رکھتے ہیں- یعنی غیب کو ہر ایک پہلو سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں- (ضرورۃ الامام- روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 483)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو بطور نشان ایسی بہت سی پیشگوئیاں عطا فرمائی تھیں جن کا تعلق مستقبل میں رونما ہونے والی عالمی تبدیلیوں سے تھا- ان عظیم الشان الہامات کا تعلق جاپان سے بھی تھا' کوریا سے بھی تھا' ترکی سے بھی تھا' روس سے بھی تھا' افغانستان سے بھی تھا اور ان میں آئندہ ہونے والی عالمی جنگوں کی خبر بھی دی گئی تھی- اسی طرح ایک الہام کا تعلق ایران کی بادشاہت سے بھی تھا-

15 جنوری 1906ء کو حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا-

"تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد"

یعنی کسریٰ (ایران کے بادشاہ) کے محل میں زلزلہ آگیا- کسریٰ کا لقب ایران کے بادشاہ کے لئے مخصوص تھا- اور اس الہام کے وقت ایک صدی سے زائد عرصہ سے قاچار خاندان ایران پر حکومت کر رہا تھا- اور مظفرالدین شاہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے تخت نشین تھے- ایران اس وقت سیاسی اور اقتصادی طور پر ایک پسماندہ ملک تھا- سیاسی طور پر بادشاہ اور اس کے مقرر کردہ سرکاری کارندے مرکزی حکومت پر بلا شرکت غیرے حکومت کرتے تھے- اور مقامی طور پر مختلف با اثر اشخاص اپنے اپنے علاقوں پر اثر رکھتے تھے- کوئی آئین اور کوئی پارلیمنٹ موجود نہیں تھے جو بادشاہت کے اختیارات کی حدود کا تعین کرتے-

وزیر اعظم کی برطرفی کا مطالبہ

سیاسی افق پر ہر وقت کچھ نہ کچھ سرگرمی تو ہو رہی ہوتی ہے- اسی طرح اس وقت ایران میں بھی وزیر اعظم کی برطرفی اور کچھ سیاسی آزادیوں کے مطالبات ادھر ادھر سر اٹھاتے رہتے تھے- لیکن ابھی تک نہ تو ان مطالبات میں کوئی شدت آئی تھی اور نہ ہی بادشاہ کی برطرفی یا بادشاہ کے اختیارات میں کمی کرنے کا کوئی مطالبہ سامنے آیا تھا- لیکن وزیر اعظم کو اپنی برطرفی کا یہ کمزور سا مطالبہ بھی ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا- چنانچہ انہوں نے 1906ء میں اپنے چند مخالفین کی گرفتاری اور شہربدری کے احکامات جاری کر دیئے- ان میں سے جب ایک کو فوجیوں نے گرفتار کیا تو لوگوں کا ایک بڑا مجمع احتجاجا جمع ہو گیا- ان میں سے ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر فوجیوں کی چوکی کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی تو فوجیوں کے افسر نے اس پر گولی چلانے کا حکم دے دیا- لیکن فوجی اپنے افسر سے زیادہ ذہین تھے- انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا- اس افسر نے اپنے پستول سے فائر کر کے نوجوان کو ہلاک کر دیا- یہ غیر ضروری قتل دیکھ کر تہران کے لوگ بھڑک اٹھے- ہزاروں لوگ اس نوجوان کا جنازہ اٹھا کر احتجاج کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے- ایک بار پھر فائر کھول دیا گیا اور پندرہ لوگ مزید مارے گئے- اب لوگ ہزاروں کے جلوس بنا کر جگہ جگہ احتجاج کرنے لگے- ہزاروں لوگ خوفزدہ ہو کر تہران چھوڑ کر قم کی طرف بھاگ رہے تھے- حالات مزید بگڑے تو بہت سے کاروباری لوگ برطانوی سفارت خانے میں پناہ لینے لگے- وزیر اعظم نے اس مسئلے کا حل یہ ڈھونڈا کہ حکم صادر کیا کہ جو دوکاندار اپنی دوکان نہ کھولے اس کی دوکان لوٹ لی جائے- اس حکم نے رہی سہی کسر پوری کر دی-

آئین بنانے کا مطالبہ

اب نہ صرف وزیر اعظم کی برطرفی کا مطالبہ اور زور پکڑ گیا بلکہ یہ مطالبہ بھی سامنے رکھ دیا گیا کہ ملک میں باقاعدہ آئین نافذ کیا جائے جس کے مطابق ملک کا انتظام چلایا جائے- اس دور کی ایرانی تاریخ پر سب سے بڑی سند E.G.Browne نے اپنی کتاب The Persian Revolution میں وضاحت سے لکھا ہے کہ 1906ء کے آغاز میں آئین کے نفاذ کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا تھا لیکن 1906ء کے وسط تک یہ مطالبہ اچانک اتنا زور پکڑ گیا کہ بادشاہ کو جھکنا پڑا- گویا حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کے چند ماہ کے اندر اندر اس کی صداقت میں واقعات رونما ہونے شروع ہو گئے-

جب مظفرالدین شاہ نے یہ دیکھا کہ تہران بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے تو انتخابات اور آئین کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور وزیر اعظم کو بھی برطرف کر دیا گیا- اکتوبر 1906ء میں انتخابات کا مرحلہ شروع ہوا- ابھی صرف تہران کے ممبر منتخب ہوئے تھے کہ اس پارلیمنٹ نے نامکمل حالت میں ہی اجلاس شروع کر دیا- ایران کی تاریخ میں پہلی

دفعہ پارلیمنٹ وجود میں آئی تھی۔ اب سیاسی فیصلے شاہی محل سے زیادہ پارلیمنٹ میں ہو رہے تھے جس کا نام "مجلس" رکھا گیا۔

مجلس کی پہلی بغاوت

جو ابتدائی مسائل مجلس کے سامنے رکھے گئے ان میں سے ایک اہم مسئلہ روس سے ایک قرضہ کی منظوری بھی تھی۔ بادشاہ کی خواہش کے برعکس مجلس نے اس قرضہ کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔ ممبران کو خدشہ تھا کہ قرضوں کے بہانے رفتہ رفتہ ایران کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ یہ پہلی علامت تھی کہ مجلس بادشاہ کی آلہ کار بننے کی بجائے اپنی مرضی منوانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ دوسرا فوری کام آئین کی تشکیل تھا۔ جلد ہی آئین کا بنیادی خاکہ بنا کر بادشاہ کے پاس منظوری کے لئے بھجوا دیا گیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد یکم جنوری 1907ء کو بادشاہ اور ولی عہد کے دستخطوں سے آئین کی منظوری کا اعلان کیا گیا۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا گیا کہ کم از کم دو سال تک پارلیمنٹ کو برطرف نہیں کیا جائے گا۔ ایک ہفتے بعد 8 جنوری 1907ء کو مظفرالدین شاہ انتقال کر گئے۔

ایک سال کے اندر اندر تبدیلی

حضرت مسیح موعود کے الہام "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" کو ابھی سال پورا نہیں ہوا تھا کہ کسریٰ (ایران کے بادشاہ) کے خلاف ہنگامے ہوئے، پارلیمنٹ اور آئین کے بننے سے بادشاہت کے اختیارات محدود کئے گئے، اور ابھی ایک سال پورا ہونے میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ لیکن یہ صرف ابتداء تھی ابھی اس پیشگوئی کی صداقت میں بہت سے واقعات ظاہر ہونے باقی تھے۔

محمد علی مرزا کا دور

مظفرالدین شاہ کے بعد محمد علی مرزا تخت نشین ہوئے۔ نئے بادشاہ کو ورثے میں تاج و تخت کے علاوہ آئین اور پارلیمنٹ بھی ملے تھے۔ اب بادشاہ کے اختیارات پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ یہ نئی تبدیلیاں محمد علی مرزا کے مزاج کے خلاف تھیں۔ وہ شروع ہی سے آمرانہ مزاج کی شہرت رکھتے تھے۔ چند روز کے بعد ان کی تاجپوشی کی رسم ہوئی۔ ممبران پارلیمنٹ کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اشارہ صاف تھا کہ تم کس گنتی میں ہو؟ آئین کے مطابق وزراء کا تقرر بادشاہ کرتا تھا لیکن یہ وزراء پارلیمنٹ کو جوابدہ تھے۔ لیکن یہ وزراء پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت ہی نہیں کر رہے تھے۔ سوال کیسا؟ اور جوابدہ کون ہو؟ بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشین پارلیمنٹ کو نظر انداز کرنے اور اسے محض ایک عضو معطل بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ پارلیمنٹ نے جوابی وار کے طور پر ایک بار پھر روس اور برطانیہ سے قرضے کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ یہ قرارداد بھی منظور کی کہ اب بادشاہ سلامت کی شاہ خرچیاں پارلیمنٹ کے منظور کردہ بجٹ کی حدود میں رہیں گی۔ اس سے قبل ایسا بھی ہوتا رہا تھا کہ غیر ممالک سے قرض حاصل کر کے اس کا بیشتر حصہ بادشاہ کے ذاتی اخراجات اور یورپ کے دورہ جات پر خرچ کر دیا جاتا۔

بغاوت کے آثار

جب دونوں طرف سے تصادم کے ارادے نظر آنے لگے تو وزیر اعظم مشیر الدولہ نے استعفیٰ دے دیا۔ جب بادشاہ نے نیا وزیر اعظم ڈھونڈنا شروع کیا تو ملک میں مقیم کوئی شخص نظر میں نہ جچا، چنانچہ یورپ میں مقیم امین السلطان کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا۔ جب وہ ایران کی زمین پر قدم رکھنے والے تھے تو ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے انہیں پھولوں کے ہار نہیں پہنائے بلکہ یہ حلف اٹھوایا کہ وہ آئین کے وفادار رہیں گے۔

26 مئی کو بادشاہ کی سالگرہ منانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ بادشاہ اور اس کے وفادار یہ تقریب شاہانہ انداز میں منانا چاہتے تھے۔ تہران میں جگہ جگہ سجاوٹ کا سامان آویزاں کیا گیا۔ چراغاں کا اہتمام کیا گیا۔ ایسی تقریبات پر بادشاہ کے وظیفہ خوار بادشاہ کو ہزار سال تک جینے کی دعا دیتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ایک سال کے دن بھی کھینچ تان کر پچاس ہزار بنا دیتے ہیں، چاہے بادشاہ بہادر شاہ ظفر جیسا مفلوک الحال بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن عوام الناس میں بادشاہ کے خلاف ردعمل اتنا شدید تھا کہ پورے شہر میں یہ سجاوٹ اور چراغاں کا سامان اتار دیا گیا۔ اور تو اور شاہی محل کی دیواروں پر سے بھی سامان آرائش اتار دیا گیا۔ اس کے برعکس ایک ماہ کے بعد پارلیمنٹ کی سالگرہ بڑے تزک و احتشام سے منائی گئی۔ "بہارستان" کی عمارت پر جہاں پر اجلاس ہوتے تھے ایک جشن کا اہتمام کیا گیا۔ عوام، ممبران مجلس، غیر ملکی مہمان سب اس ضیافت میں شامل ہوئے۔ بچوں نے گیت گائے، مقررین نے تقریریں کیں اور حاضرین نے داد دی۔

ایران کے مالی حالات بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ خزانہ خالی تھا۔ پارلیمنٹ نے قرضے کی منظوری دینے سے انکار تو کر دیا تھا لیکن متبادل انتظام نہیں کیا جا سکا۔ ایران میں ٹیکس جمع کرنے کا انتظام بہت فرسودہ تھا۔ اور کوئی ٹیکس ادا کرنے کو تیار بھی نظر نہیں آتا تھا۔ اب ملک چلایا جائے تو کس طرح چلایا جائے؟ اس صورت حال میں نئے وزیر اعظم نے قرضے کے حصول کے لئے ممبران پارلیمنٹ کو قائل کرنا شروع کیا۔ وہ سیاستدانوں سے انہی کی زبان میں بات کر رہے تھے۔ اور کامیابی اگر بہت قریب نہیں تو بہت دور بھی نہیں تھی۔ 31۔ اگست کو وزیر اعظم پارلیمنٹ کی عمارت بہارستان سے باہر نکل رہے تھے کہ ایک حملہ آور نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جب ایک فوجی نے قاتل کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے خود کو بھی ختم کر دیا۔ جب قاتل کی تلاشی لی گئی تو زہر کے چار کیپسول برآمد ہوئے اور ایک ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا "آقا عباس ممبر انجمن فدائی نمبر41" ایک بات اب واضح تھی کہ انتہاپسندی کا مقابلہ انتہاپسندی سے ہی ہو رہا تھا۔

قاتل کی پذیرائی

جب قتل کو چالیس روز گزرے تو مقتول وزیر اعظم کی ماتم پرسی کو تو چند لوگ گئے لیکن اس کے برعکس قاتل کی قبر پر لاکھ سے زیادہ افراد کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق قبر پر آ رہے تھے۔ کچھ لوگ اپنی روایات کے مطابق سینہ کوبی کر رہے تھے۔ قبرستان میں خیمے لگائے گئے تھے اور آنے والوں کی تواضع مشروبات سے کی جا رہی تھی۔ شعراء قاتل کی تعریف میں شعر پڑھ رہے تھے۔ دنیا حیرت سے یہ دیکھ رہی تھی کہ یہ سب کچھ ایک قاتل، ایک مجرم کے لئے کیا جا رہا ہے۔ لیکن بادشاہ کو یہ سب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ

اور ان سے وابستہ ہر شخص غیر مشروط طور پر بھاری اکثریت کی نفرت کا نشانہ بن چکا ہے۔ وہ تو مسلسل آئین اور پارلیمنٹ کے خلاف اپنا ایک گروہ منظم کرنے میں مشغول تھے۔ شاہ پسندوں کا یہ گروہ ہر نئی تبدیلی کو ناجائز سمجھتا تھا اور پرانے نظام کی بحالی کا مطالبہ کر رہا تھا۔ لیکن اکثریت کے خوف سے بادشاہ ان کی کھلم کھلا حمایت کرنے سے ڈر رہے تھے اور آئین کی حمایت کرنے والے گروہ کے تیور بھی اچھے نہ تھے۔ چنانچہ نومبر کے شروع میں بادشاہ پارلیمنٹ کے سامنے گیا اور قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ آئین کی پاسداری کریں گے۔

میکاولی کے اصولوں پر عمل

سولہویں صدی کے اطالوی فلاسفر میکاولی (Machiavelli) نے ایک کتاب The Prince لکھی تھی، جس میں ایک آمر کو حکومت کرنے کے گر سکھائے گئے ہیں اور اس میں ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بعض نے تو میکاولی کو علم سیاست کا شیطان قرار دیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب کے اٹھارویں باب میں حکمرانوں کو نصیحت کی ہے کہ ضروری نہیں کہ تم اپنا ہر عہد پورا کرو بلکہ جہاں مناسب معلوم ہو وہاں عہد شکنی کرنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اگلے ہی باب میں بہت زور دے کر لکھا ہے کہ کسی بھی قیمت پر اپنے آپ کو لوگوں کی نظر میں قابل نفرت اور تحقیر کا نشانہ نہ بننے دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اگر تمہارے ہی لوگ تمہیں ادب کی بجائے نفرت اور حقارت سے دیکھنے لگ گئے تو تمہیں کون بچائے گا۔ میکاولی کو تاریخ میں جتنے شعوری اور لاشعوری شاگرد ملے؟ ان میں اکثر اس نصیحت سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ محمد علی مرزا نے بار بار آئین کی وفاداری کا حلف اٹھایا اور ہر مرتبہ اپنا عہد توڑا لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکے اب ملک میں ان کی کوئی وقعت نہیں رہی اور اب آہستہ آہستہ کوئی ان کا اعتبار کرنے پر تیار نہیں۔ ایران کے بادشاہ کو حکمت سیکھنے کے لئے میکاولی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے تو ایک مضمون کو گدلا کر کے پیش کیا تھا جبکہ اسی بات کو شیخ سعدی نے بہت بہتر اور نفیس طریقے سے اس حکایت میں پیش فرمایا۔

"ہرمز سے لوگوں نے پوچھا کہ تو نے اپنے باپ کے وزیروں میں کون سی خطا دیکھی جو انہیں جیل میں ٹھونس دیا۔ کہنے لگا کہ خطا تو کوئی نظر نہ آئی البتہ یہ ضرور دیکھا کہ ان کے دل میں میری بے حد ہیبت ہے اور میرے عہد پر وہ پورا اعتماد نہیں رکھتے۔ اس لئے میں ڈرا کہ وہ اپنے نقصان کے خوف کے مارے کہیں میری جان لینے کی نہ ٹھان لیں۔ لہٰذا میں نے داناؤں کے قول پر عمل کیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ

اے دانا آدمی جو تجھ سے ڈرتا ہے تو بھی اس سے ضرور ڈر خواہ تو اس جیسے سینکڑوں سے لڑائی میں کیوں نہ نپٹ سکے"۔

محمد علی مرزا کا زوال

محمد علی مرزا عہد شکنی، ہیبت اور ظلم سے حکومت کرنا چاہتے تھے، قطع نظر اس بات کے اب لوگ ان کے متعلق کیا رائے قائم کر رہے ہیں دونوں گروہوں میں اختلافات بڑھ رہے تھے۔ مفاہمت کی امید کم ہوتی ہوتی اب ختم ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ 3 جون 1908ء کو بادشاہ نے تہران چھوڑا اور تہران کے قریب باغ شاہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ لوگوں کے غصے سے بچنے کے لئے پہلے فوجیوں نے شہر میں لوٹ مار شروع کی اور پھر اس بھگدڑ میں بادشاہ کو شہر سے باہر نکال لیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ کے وفاداروں نے تہران میں ایک کے بعد دوسری اہم جگہ پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ گرفت مضبوط ہونے کے بعد شہر میں بادشاہ کے وفادار فوجیوں نے نظم و نسق سنبھال لیا۔ اور روسی فوجی افسر کرنل لیعوف (Laikhof) کو تہران کا اقتدار سونپ دیا گیا۔ دس ہزار آدمی جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ تصادم کو روکنے کے لئے بعض ممبران پارلیمنٹ نے لوگوں کو ٹھنڈا کر کے گھروں کو بھجوا دیا۔ لیکن محمد علی مرزا اپنے مخالفین کو مکمل طور پر کچلنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ کئی نمایاں مخالفین کو باغ شاہ میں قید کر دیا گیا اور ان میں سے دو کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔ 23 جون 1908ء کو ایک ہزار فوجیوں نے روسی افسروں کی قیادت میں پارلیمنٹ کی عمارت کا محاصرہ کر لیا۔ دفاع کرنے والوں کے پاس صرف پچاس بندوقیں تھیں فائر اور جوابی فائر شروع ہوا۔ بہارستان کی عمارت پر گولے برسائے گئے۔ بادشاہ نے پارلیمنٹ برطرف کرنے پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ اس کی عمارت کو بھی تباہ کر دیا تھا۔ اس سارے معرکے کی قیادت روسی فوجی افسر کر رہے تھے جن کی خدمات کرائے پر حاصل کی گئی تھیں۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ بیسویں صدی کے آغاز پر روسی افسروں نے ایک کمزور ملک کی پارلیمنٹ پر بمباری کی تھی اور صدی کے آخر پر روسی فوجیوں نے ایک اور پارلیمنٹ ہاؤس پر حملہ کیا لیکن وہ کسی غیر ملک کی پارلیمنٹ نہیں تھی بلکہ خود روس کی پارلیمنٹ تھی۔

تبریز کے لوگوں نے جب یہ سکھا شاہی دیکھی تو بغاوت کر دی۔ محمد علی مرزا بادشاہ بننے سے قبل تبریز کے حکمران رہ چکے تھے۔ اور انہوں نے وہاں صرف تلخ یادیں چھوڑی تھیں۔ بادشاہ کی وفادار فوجوں نے تبریز کا محاصرہ کر کے خوراک کی رسد بند کر دی۔ بغاوت کمزور پڑنے لگی اور تبریز میں قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ غیر ملکیوں کو حفاظت سے باہر نکالنے کے بہانے روس نے اپنے فوجی دستے شمالی ایران میں داخل کرنے شروع کر دیئے۔ اب تبریز کی بغاوت کا زور بھی ٹوٹ رہا تھا۔

تہران میں مخالفوں کو کچل دیا گیا۔ فاقے کرا کے تبریز کے گھٹنے ٹیک دیئے گئے۔ لیکن اب یہ بغاوت چند جگہوں تک محدود نہیں تھی۔ ایسی بغاوت پر قابو بھی کیسے پایا جا سکتا ہے جو شہر شہر، گلی گلی اور گھر گھر اٹھ کھڑی ہو۔ پہلے شمال میں گیلان سے باغی فوج نے تہران کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد جنوب سے بختیاری قبائل کے جنگجو بھی تہران کی طرف بڑھنا شروع ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی سفارت خانوں کو تار دی گئی کہ ہم بادشاہ کو اپنے مطالبات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ براہ مہربانی ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ جب تہران کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا تو روس کے سفارت خانے نے باغی فوج کے کمانڈروں کو انتباہ کیا کہ یہ پیش قدمی فوری طور پر بند کی جائے ورنہ سنگین نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ لیکن سنتا کون تھا بادشاہ نے ایک مرتبہ پھر قسم کھا کر اعلان کیا کہ وہ آئین کو بحال کر دیں گے لیکن اب اعتبار کسے تھا؟ جب حکومت نے روس سے قرض مانگا تو جواب انکار میں ملا۔ اب سرپرست بھی ہاتھ کھینچتے جا رہے تھے۔ جون میں باغی فوج نے پیش قدمی کرتے ہوئے جنوب میں قم پر بھی قبضہ کر لیا، اب وہ تہران سے صرف اسی میل کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ اب دونوں باغی افواج مشترکہ طور پر تہران پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی

تھیں۔ روس اور برطانیہ کے سفارت کاروں نے واویلوں اور دھمکیوں کا ایک سلسلہ شروع کیا لیکن اس کو بھی نظرانداز کر دیا گیا۔ روس نے اپنے کچھ دستے تہران سے قریب کر دیئے تاکہ وقت پڑنے پر شاہی فوج کی سرپرستی کر سکیں۔

محمد علی مرزا کی بادشاہت کا خاتمہ

جولائی میں تہران کے مغرب میں شاہی افواج اور باغیوں کا ایک تصادم ہوا لیکن یہ جھڑپ صرف توجہ ہٹانے کے لئے تھی۔ عین اس وقت تہران کے شمال میں باغی افواج کے دستے جمع ہو رہے تھے اور 12 جولائی 1908ء کو یہ باغی چپکے سے تہران کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس قدر خاموشی سے ہوا کہ تہران کی حفاظت پر متعین فوجیوں کو اسی کی خبر بھی نہ ہوئی۔ کرنل لیخوف کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جب ان کی بیرکوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ چار روز تک شہر کی سڑکوں پر جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار سب امیدیں ایک ایک کر کے ختم ہوتی گئیں۔ 16 جولائی 1908ء کی صبح محمد علی مرزا جو ایک روز قبل تک ایران کے بادشاہ تھے۔ روسی سفارت خانے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح عملاً ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور رہے کرنل لیخوف تو انہوں نے عقل مندی اسی میں سمجھی کہ اپنی اور اپنے ماتحت فوجیوں کی خدمات نئی حکومت کو پیش کر دیں۔ چنانچہ انہیں بھی نئے نظام کا حصہ بنا لیا گیا۔ جو بہت گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی وفاداریوں کا اعلان کر رہے ہوں ان کی وفاداریاں سب سے ناقابل اعتبار ہوتی ہیں۔ بااثر شخصیات کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں فیصلہ ہوا کہ محمد علی مرزا کے بارہ سالہ بیٹے کو آئینی سربراہ بنایا جائے۔ اور پارلیمنٹ کا انتخاب ہو جو امور مملکت کو چلائے۔

کہا جاتا ہے کہ جب سپین میں آخری مسلمان بادشاہ تاج و تخت سے محروم ہوا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی والدہ نے اس سے کہا کہ جس سلطنت کی مردوں کی طرح حفاظت نہ کر سکے، اب اس پر عورتوں کی طرح آنسو بھی نہ بہاؤ۔ محمد علی مرزا اب تاریخ سے اتنے بھی لاعلم نہیں تھے۔ رو دھو کر کس کی لعن طعن سنتے چنانچہ انہوں نے بھاؤ تاؤ شروع کر دیا کہ تخت سے دستبردار ہونے کے کتنے پیسے دیئے جائیں گے۔ آخر کار برطانیہ اور روس کے تعاون سے یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں سالانہ اسی ہزار پونڈ کی پنشن دی جائے گی اور اس کے بدلے وہ قوم کی یہ خدمت کریں کہ ایران سے تشریف لے جائیں جب وہ رخصت ہونے لگے تو بارہ سال کا نیا بادشاہ ماں باپ سے جدا ہونے کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بچہ بہرحال معصوم ہوتا ہے۔ محمد علی مرزا کا اس کروفر سے اٹھنا اور گرد کی طرح بیٹھ جانا۔ تاج و تخت سے محروم ہو کر جلاوطنی پر مجبور ہونا۔ یہ غیر متوقع واقعات حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی کی صداقت پوری دنیا پر ظاہر کر رہے تھے۔ کچھ عرصہ قبل تک ٹائمز جیسا معتبر اخبار بھی یہی خیال ظاہر کر رہا تھا کہ باغی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو جو خبر دی تھی وہ پوری ہو کر رہی۔

بے بس بادشاہ

اس کے بعد اب قاچار خاندان میں حکومت صرف نام کی رہ گئی تھی۔ تاریخ میں شاید ہی کوئی کسریٰ اتنا بے اختیار گزرا ہو۔ جتنے بے بس نئے اور کم سن بادشاہ سلطان احمد مرزا تھے۔ اب حالات اس راستے پر چل نکلے تھے جس کے آخر پر قاچار خاندان کی اس نام کی بادشاہت کا بھی خاتمہ ہو جانا تھا۔ پرانے اور فرسودہ نظام کو مسمار کرنا تو آسان ہوتا ہے۔ اسے تو اگر کوئی گرانے کا تکلف نہ بھی کرے تو پرانے کھنڈر کی طرح خود ہی آہستہ آہستہ گرتا رہتا ہے لیکن اس کی جگہ ایک نیا اور مستحکم نظام کھڑا کرنا مشکل بلکہ بہت مشکل کام ہے۔ اس دور میں ایران کا بھی یہی حال تھا۔ آج ایک حکومت ہے تو کل دوسری کسی کو روس کے اشارے پر ہٹایا گیا تو کسی کو بنانے والوں نے ہی برطرف کروا دیا۔ خزانہ بڑی مستقل مزاجی سے خالی ہو رہا تھا۔ اس پر احتجاج تو سب کرتے تھے لیکن ٹیکس دے کر خزانہ بھرنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔ پہلی جنگ عظیم ہوئی تو حالات اور تیزی سے بگڑنے لگے۔ ایران تین عظیم سلطنتوں میں گھرا ہوا ایک کمزور ملک تھا۔ غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا مگر ایران کے عوام کی ہمدردیاں جرمنی کی اتحادی سلطنت عثمانیہ کے ساتھ تھیں۔ جبکہ ایران کی حکومت عملاً روس اور اس کے اتحادی برطانیہ کے چنگل میں تھی۔ روس جس وزیر اعظم کو ناپسند کرتا، اسے ہٹنے پر مجبور کر دیتا۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو ایران پہلے سے زیادہ کمزور ہو چکا تھا۔

رضا شاہ پہلوی کا دور

بالآخر 1921ء میں فوج کے ایک کرنل، رضا خان نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ شروع کے سالوں میں رسماً تخت پر نہیں بیٹھے مگر پھر 1926ء میں رضا خان پہلوی خاندان کے پہلے بادشاہ کے طور پر تخت نشین ہو گئے اور یوں قاچار خاندان کی بادشاہت کا دور ختم ہو گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود کے الہام "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" کے بعد ایران کے جس بھی بادشاہ کی تاجپوشی ہوئی اسے آخر کار تاج و تخت سے محروم ہو کر جلاوطنی میں زندگی کے بقیہ ایام کاٹنے پڑے۔ پہلے محمد علی مرزا اور سلطان احمد مرزا بالترتیب تاج و تخت سے محروم ہو کر جلاوطن ہوئے۔ پھر پہلوی خاندان کا دور شروع ہوا۔ پہلی جنگ عظیم سے پیدا ہونے والے حالات نے رضا شاہ کو تخت پر بٹھایا اور دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں رضا شاہ کو بادشاہت چھوڑنی پڑی اور ان کا انتقال جنوبی افریقہ میں ہوا۔ اس کے بعد محمد رضا شاہ بادشاہ بنے اور 1979ء کے انقلاب نے ان کو تاج و تخت سے محروم کر دیا اور ان کا انتقال مصر میں ہوا۔ اس کے بعد ایران میں بادشاہت کا دور ختم ہو گیا۔ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل خورس جیسے نیک بادشاہ نے ایران کی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ ایک ایسا بادشاہ کہ بسا اوقات شہر کے لوگ اس کی افواج کے لئے اپنے دروازے خود کھول دیتے تھے۔ اس بادشاہ کو ذوالقرنین بھی کہا گیا ہے۔ جب ایک ذوالقرنین کی قائم کردہ سلطنت کے خاتمے کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے ذوالقرنین کے ذریعہ دنیا کو تزلزل کی خبر دی تاکہ یہ تبدیلی بھی اللہ تعالیٰ کے مامور کی صداقت کا نشان بنے۔

کل عالم کو امت واحدہ بنانے کے لئے عظیم الشان خدائی سکیم

مسیح موعود کے ذریعہ انتشار روحانیت اور سائنسی ایجادات

حضرت مسیح موعود کی بعثت کے ساتھ ساتھ سائنس کی انقلابی ترقی کی روداد

مکرم طارق محمود سدھو صاحب - ایم ایس سی زوالوجی

حضرت مسیح موعود نے مشہور عالم لیکچر "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں یہ انقلاب آفریں نکتہ معرفت بیان فرمایا کہ :-

"جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اسی کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے۔ ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقل مند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کردیتے ہیں اور غیب سے ایک حرکت انکی قوت متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اوپر اٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ ابال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی کے دل پر الہامی بارش ہوگئی ہے۔" (روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 430)

حضرت اقدس نے ازاں بعد اپنی تالیف "ضرورۃ الامام" مطبوعہ 1898ء میں مندرجہ بالا حقیقت پر وجد آفریں انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:-

"جب دنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے اور انتشار روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں۔

پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے۔ اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اس کو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار روحانیت کا نتیجہ ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ اور یہ ایک عام قانون اور سنت الٰہی ہے جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا اور ذاتی تجارب نے اس کا مشاہدہ کرایا ہے مگر اس زمانہ کو اس سے بھی بڑھ کر ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہوگا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے۔ اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے۔ اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پرتوہ ہوگا۔ جیسا کہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو دیوار منور ہو جاتی ہے اور اگر چونا اور قلعی سے سفید کی گئی ہو تو پھر تو اور بھی چمکتی ہے۔ اور اگر اس میں آئینے نصب کئے گئے ہوں تو ان کی روشنی اس قدر بڑھتی ہے کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی۔ مگر دیوار دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر مجھ میں ہے۔ کیونکہ سورج کے غروب کے بعد پھر اس روشنی کا نام و نشان نہیں رہتا۔

پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔" (ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد 13 ص 375)

انیسویں صدی ایسی صدی ہے جس میں حضرت مسیح موعود کا ظہور ہوا۔ 1835ء میں آپ پیدا ہوئے اور 1889ء میں جماعت احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کے ظہور سے دنیا کو ایک نئی روشنی ملی۔ انسانی زندگی کے تمام پہلو خواہ وہ سائنس سے تعلق رکھتے ہوں یا مذہب سے، ادب سے تعلق رکھتے ہوں یا آرٹس سے، چاہے ٹیکنالوجی سے ان کا تعلق ہو یا طب سے ہو، منطق ہو یا فلسفہ ہو، معاشرتی طرز زندگی ہو یا معاشی حالات ہوں، علم فلکیات ہو یا جینیاتی انجینئرنگ، کمپیوٹر ہو یا انٹرنیٹ ہو یا وہ سیٹلائٹ کا نظام ہو غرض تمام طبقات کو اس نور سے روشنی ملی۔

حضرت مسیح موعود کی ولادت کے قریب زمانہ میں اور بعد ایسی ایسی سائنسی ایجادات ہوئیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بعض ایجادات نئی ہوئیں اور نئے نظریات بنے اور بعض سابقہ نظریات کی تشریح صحیح رنگ میں ہوئی اور بعض نظریات کو غلط قرار دیا گیا اور بعض ایجادات جو

پہلے ہوئیں وہ بعد میں اپنے نقطہ کمال تک پہنچیں۔
ذیل میں انہی چند ایجادات اور نظریات کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

حسابی مشین انگلستانی حساب دان چارلس بے بج (Charles Babbage) (1791-1871) نے سب سے پہلے کمپیوٹر کی طرح کی مشین بنائی جس کا سائز کافی بڑا تھا۔ اس سے حساب کتاب آسانی سے ہو سکتا تھا۔ یہ اس دور کی انوکھی ایجاد تھی۔

جدید صنعت انیسویں صدی میں جدید صنعت نے جنم لیا۔ صنعتی انقلاب نے حرکت کے اصول اور بجلی سے متعلق تحقیق کو متحرک کیا اور اس طرح مائیکل فیراڈے (1867-1791) نے برقی مقناطیسی میدان کا نظریہ دیا۔ جس سے برقیاتی حرکات کی تشریح ہوئی اس کے ساتھ ساتھ اس نے ڈائنمو اور برقی موٹر کے اصولوں کی بھی تشریح کی۔

روشنی کی لہریں جے۔ سی میکس ویل (J.c Maxwell) نے 1864ء میں فیراڈے کے اصولوں کو واضح کیا۔ اس نے بتایا کہ روشنی کی لہریں بھی برقی مقناطیسی لہروں کی ایک شکل ہیں۔

ریڈیو ویوز ریڈیو ویوز (Radio Waves) کی دریافت کا سہرہ ہنرچ ہرٹز کے سر ہے جس نے 1887ء میں ان لہروں کی تشریحات بیان کیں۔

تبدیلیٔ حرارت تبدیلیٔ حرارت اور بھاپ کے انجن میں حرارت کی تبدیلی کے چکر کا حسابی نظریہ سادی کارنٹ (Sadi Carnot) نے انیسویں صدی کے شروع میں دیا جس کو تجرباتی طور پر جیمز جول (James Joul) (1818-1884) نے واضح کیا۔

جدید کیمیائی صنعت جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھنے میں لیوائیزر کا بڑا ہاتھ ہے لیکن اس کی ترقی یافتہ شکل جسٹس وان لائی بگ (1873-1803) اور آگسٹ ہوف مین (1892-1818) کی کاوشوں کی محتاج ہے چنانچہ 1856ء میں ولیم پرکن نے 18 سال کی عمر میں پہلا کیمیائی رنگ (Synthetic Dye) دریافت کیا جس کا نام ماو (Mauve) رکھا گیا اور اس کے بعد پے در پے ایجادات ہوتی رہیں جس سے جدید کیمیائی صنعت کا دور شروع ہوا۔

ایکس ریز 1895ء میں ولیم رونٹجن (Williem Roentgen) نے ایکس ریز X-Rays کو دریافت کیا۔ یہ طبعیات دانوں کے لئے حیرت انگیز کام تھا۔ اس دریافت کے ساتھ ہی دوسری نئی شعاعوں کی طرف تحقیق نے رخ موڑا جس کے نتیجے میں 1896ء میں این ٹونی بیکرل (Antoine Becquerel) نے دریافت کیا کہ یورینیم دھات کچھ نئی قسم کی شعاعیں خارج کرتی ہے۔ اسی دریافت کے تعاقب میں میری کیوری (Marie Curie) اور اس کے شوہر پیری (Pierre) نے 1897ء میں دریافت کیا کہ اسی طرح کی شعاعوں کے پیدا کرنے کا زیادہ بڑا ذریعہ ریڈیم ہے۔

الیکٹرانکس مندرجہ بالا ایجادات کے ظہور کے ساتھ ساتھ سائنسدانوں نے گیسوں میں بجلی کی حرکات پر تحقیق شروع کی جن کے نتیجے میں 1897ء میں جے جے تھامسن (J.J Thomson) نے الیکٹران دریافت کیا جس سے سائنس کی ایک نئی شاخ الیکٹرونکس نے جنم لیا اور اسی شاخ کی بدولت دنیا میں ترقی کی ایک نئی روح بیدار ہوئی۔

ایٹمی نظریہ رتھرفورڈ (1937-1871) نے ایٹم کی ساخت کے بارے میں تشریح کی اور اپنا ایٹمی نظریہ پیش کیا اس نظریے کو مقبولیت تو حاصل ہوئی لیکن 1913ء میں نیل بوہر نے اسے حتمی شکل دی۔ یہ نظریہ نیوکلیس (مرکزہ) کے گرد الیکٹران کی گول مداروں میں حرکت سے متعلق تھا۔

مالیکیول لارنس بریگ (1890-1971) نامی ایک سائنسدان نے مالیکیولوں کی ساخت کو ایکس ریز کے ذریعے معلوم کرنے کا طریقہ شروع کیا اور بریگ (Bragg) کی لیبارٹری میں کام کرتے ہوئے جیمز واٹسن (Watson) اور فرانسس کرک (Francis Crick) نے 1953ء میں DNA (ڈی آکسی رائیبوزنیوکلیک ایسڈ) کے مالیکیول کی شکل کو واضح کیا۔ DNA وہ مالیکیول ہے جو تمام وراثتی خصوصیات کو ایک نسل سے اگلی نسل میں منتقل کرتا ہے۔ یہ بیالوجی کی دنیا میں ایک نہایت ہی اہم دریافت تھی جس نے جدید بیالوجی کو جنم دیا۔ جینیٹک انجنیئرنگ، مالیکیولر بیالوجی، بائیو ٹیکنالوجی وغیرہ تمام شاخیں اسی مالیکیول کے گرد گھومتی ہیں۔

گیس انجن سب سے پہلا انجن بھاپ کا انجن تھا جو کہ اٹھارویں صدی میں ایجاد ہوا لیکن وہ انجن اس قدر کامیاب نہیں تھا۔ 1860ء کی دہائی میں ایک جرمن انجنیئر نکولس اوٹو (Nikolaus Otto) نے پہلا گیس انجن ایجاد کیا جو کہ پہلے انجنوں کی نسبت زیادہ کامیاب تھا۔ اس کے بعد اسی صدی کی آخری دہائیوں میں ایک جرمن انجنیئر روڈالف ڈیزل نے ڈیزل انجن ایجاد کیا جو کہ گیس یا پٹرول انجن سے مختلف طریقے سے کام کرتا تھا۔ یہ انجن آج تمام بڑی گاڑیوں میں استعمال ہوتا ہے۔

تیل کا کنواں 1859ء میں امریکہ میں Colonel Edwin نے سب سے پہلے تیل کا کنواں کھودا اس نے تقریباً زمین کی 70 فٹ گہرائی سے تیل نکالا۔ اس وقت یہ ایک تیل کی بہت بڑی صنعت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جبکہ 1975ء تک دنیا میں تقریباً چھ لاکھ کنوئیں دریافت ہو چکے تھے۔ اور ان سے 55 ملین بیرل تیل روزانہ نکالا جاتا تھا۔

زمین کی محوری گردش ستاروں اور زمین کی حرکت سے متعلق ایک فرانسیسی طبعیات دان جین فوکالٹ (1819-68) نے ایک مشین جیروسکوپ (Gyroscope) ایجاد کی۔ اس مشین سے زمین کی محوری گردش معلوم ہو جاتی ہے۔

سپیڈومیٹر گاڑی کی رفتار کو صحیح طور پر متعین کرنے کے لئے 1920ء میں مقناطیسی سپیڈومیٹر ایجاد کیا گیا۔

آٹومیٹک نظام جیمز کلارک میکس ویل (1831-79) نے خودکار نظام (Automatic) کی بنیاد ڈالی جس کے نتیجے میں آج ہمیں گھر کی مشین سے لے کر پر

سونک ایرلائن تک تمام چیزیں خودبخود چلتی نظر آتی ہیں۔ روبوٹ جو ایک انسان کی نقل ہے خودکار نظام کے تحت حرکت کرتا ہے۔

زپ جڈسن (Judson) نے 1891ء میں ایک زپ (Zip) ایجاد کی جبکہ اس سے پہلے کپڑوں میں اور بعض دیگر چیزوں میں بٹن استعمال ہوتے تھے یہ زپ صحیح اور مناسب کام نہیں کرتی تھی چنانچہ 1913ء میں سنڈبیک Sundback نے اسے صحیح صورت دی۔

فاؤنٹین پین 1884ء میں واٹرمین نے سب سے پہلے فاؤنٹین پین (Fountain Pen) ایجاد کیا۔ فاؤنٹین پین ایسا پین ہے جس میں سیاہی کے ذخیرہ کے لئے چھوٹی سی ٹینکی ہوتی ہے۔ اس سے قبل بغیر سیاہی ذخیرہ کئے ہوئے قلم استعمال ہوتے تھے۔

بیرومیٹر گیسی دباؤ اور ہوائی دباؤ معلوم کرنے کے لئے گیس میٹر اور بیرومیٹر 1850ء کی دہائی میں ایجاد ہوئے۔

سلائی مشین پہلی سلائی مشین 1830ء کی دہائی میں منظر عام پر آئی۔ یہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور ایک فرانسیسی درزی بارتھیلمی (Barthelemy) نے اسے ایجاد کیا۔ 1841ء میں تھیمونیئر نے فرانسیسی فوج کی یونیفارم سینے کے لئے اس طرح کی 80 مشینیں استعمال کیں۔ لیکن صنعتی پیمانے پر سلائی مشینوں کو 1851ء کے بعد استعمال کیا گیا جب اسحاق سنگر (Issaac Singer) نے پاؤں سے چلنے والی مشین ایجاد کی۔

ریفریجریٹر برطانوی سائنسدانوں نے 1834ء میں ریفریجریٹر کی طرح کی مشین تیار کی لیکن پہلا ریفریجریٹر 1851ء میں جیمز ہری سن (Harrison) نے ترتیب دیا جسے کارگو بحری جہازوں میں گوشت کو ٹھنڈا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔

کارپٹ کلینر قالینوں کو صاف کرنے والے کارپٹ کلینر کو Thomas Ewbank نے ڈیزائن کیا جسے 1889ء میں اس کی وفات کے بعد تیار کیا گیا۔

ٹائپ رائٹر ٹائپ رائٹر جو آج کے دور کی اہم ضرورت ہے کو 1867ء میں کرسٹوفر نے ایجاد کیا جو 1874ء میں امریکہ میں منظر عام پر آیا جبکہ پہلا الیکٹرک ٹائپ رائٹر 1930ء کی دہائی میں ایجاد ہوا۔

کیلکولیٹر پاکٹ کیلکولیٹر (Calculator) جس نے موجودہ دور میں بہت آسانیاں پیدا کیں 1948ء میں تین امریکی سائنسدانوں نے ایجاد کیا۔

لفٹ ایک امریکی ایلی شا اوٹس (Elisha Otis) نے 1857ء میں مختلف چیزوں کو اٹھانے والی لفٹ ایجاد کی۔

ایلومینیم ایلومینیم کا استعمال آج کل کے دور میں بہت عام ہے۔ سب سے پہلے ایلومینیم 1825ء میں ڈینش سائنسدان نے علیحدہ (Isolate) کیا۔ کیونکہ اس سے پہلے اس صدی کے شروع میں برطانوی کیمیادان ہمفرے (Humphry) نے اس کی موجودگی کا پتہ لگایا تھا مگر وہ اسے دوسری دھاتوں سے علیحدہ نہ کرسکا۔ آہستہ آہستہ اس کا استعمال اس قدر عام ہوگیا کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جس میں ایلومینیم موجود نہ ہو۔ لیکن اب اس کے نقصانات واضح ہوکر سامنے آرہے ہیں

ہائیڈروفائل ہائیڈروفائل (Hydrofoil) جو کہ بحری جہاز کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس کے نیچے لمبے لمبے پترے جہاز کے اصل جسم کو پانی کی سطح سے بلند کئے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ بحری جہاز اور بادبان میں اصل جسم کا بیشتر حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ ہائیڈروفائل بیسویں صدی کے شروع کی ایجاد ہے۔ یہ بحری جہاز سے زیادہ تیز رفتاری سے سفر کرتا ہے۔

آبدوز آبدوز کی دریافت کا سہرا ولیم بورنے (William Bourne) کو جاتا ہے۔ جس نے 1578ء میں ایجاد کیا۔ یہ آبدوز بھاپ اور ہاتھ سے چلائی جاتی تھی لیکن انیسویں صدی کے آخر میں امریکی موجد جان 'پی ہالینڈ John.P.Holland نے پٹرول انجن سے چلنے والی آبدوز ایجاد کی جسے جدید آبدوز بھی کہا جاسکتا ہے۔

سائیکل سائیکل جو روزمرہ زندگی میں ایک اہم سواری ہے کا آغاز تو اٹھارویں صدی میں ہوا لیکن سائیکل کی تاریخ میں اہم موڑ 1888ء میں آیا جب ڈن لوپ (Dunlop) نے ہوا بھرا ٹائیر ایجاد کیا۔ اس دور میں جو سائیکل بنا اس میں اگلے ساٹھ یا ستر سال تک کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ سائیکل سپیڈ کے اعتبار سے پرانے سائیکل سے تیز تھا۔

موٹرسائیکل موٹر سائیکل کی ایجاد موٹر کار سے پرانی ہے۔ دو فرانسیسی ماہرین پائی اے اور ارنٹ مچکس نے 1869ء میں ایک موٹر سائیکل ایجاد کی جس کا نام بون شیکر Bone Shaker تھا۔ یہ پیرس میں عام ہوگئی تھی اس وقت اس کی سپیڈ 40 کلومیٹر فی گھنٹہ سے کم تھی۔ جبکہ 1914ء میں اس کی رفتار تقریباً 150 کلومیٹر فی گھنٹہ تک بڑھا دی گئی اور اسے جنگ عظیم اول میں استعمال کیا گیا۔

موٹرکار موٹر کار کی ایجاد ارتقائی مراحل سے گزر کر سامنے آئی۔ دو جرمن انجنیئر کارل بینز (Karl Benz) اور گوٹلب ڈیملر (Gottlieb Daimler) نے 1885ء میں کار کو اصل شکل دی۔ اس سے پہلے بھی پیرس میں کچھ گاڑیاں موجود تھیں جن کی رفتار 5 کلومیٹر فی گھنٹہ تھی اور بعد میں یہ سپیڈ کچھ بڑھائی گئی حتیٰ کہ 1885ء میں اس نے اصل کار کی صورت اختیار کی۔

بس برطانیہ میں گھوڑوں سے چلنے والی بسیں 1829ء میں بنائی گئی تھیں۔ مشین کے استعمال نے گھوڑوں کا استعمال ختم کردیا۔ چنانچہ 1895ء میں پٹرول سے چلنے والی بس جرمنی کی ایک کمپنی بینز (Benz) نے چلائی۔ شروع کی یہ بسیں چھوٹی اور زیادہ شور کرتی تھیں جو مسافروں کی ہڈیاں ہلا دیتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اگلی صدی میں بے شمار اچھی بسیں منظر عام پر آئیں۔

ریل گاڑی 1813ء میں برطانیہ کی مختلف کانوں (Mines) میں ریل گاڑی کا استعمال شروع ہوا یہ گاڑی بھاپ سے چلتی تھی اس کی دریافت 1804ء میں کورنش مین (Cornishman) نے کی۔ اس کے مقابلے پر بجلی سے چلنے والی گاڑی 1879ء میں برلن میں چلائی گئی اور 1920ء میں ڈیزل سے چلنے والی ریل کار منظر عام پر آئی۔

ہوائی جہاز ہوائی جہاز بنانے کا سہرا گرچہ رائٹ برادرز Wright Brother کے سر ہے لیکن ان سے

پہلے جرمنی میں اوٹو لیلی اینتھل (Otto Lili Enthal) 1870ء کی دہائی میں اپنے گلائی ڈر کی مدد سے سینکڑوں پروازیں کر چکا تھا۔ لیکن رائٹ برادرز نے جو جہاز بنایا وہ طاقتور، قابل کنٹرول اور زیادہ وزنی تھا۔ رائٹ برادرز کے بعد لوئیس بلے ری اوٹ (Louis Bleriot) کا کام سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس نے ہوائی جہاز میں کئی جدید اور موثر تبدیلیاں کیں اور اس کا جہاز ٹائپ Xi 1909ء میں فرانس سے انگلینڈ کی پرواز کے لئے چلایا گیا۔

ہیلی کاپٹر سپین کے موجد جان سیروا (Jaun.De.LA.Cierva) نے 1923ء میں کامیابی کے ساتھ ایک مشین ہوا میں اڑائی جسے آٹوجائیرو (Autogyro) کا نام دیا گیا یہ ہیلی کاپٹر جیسی چیز تھی لیکن 1939ء میں جنگ عظیم دوم کے دوران پہلا ہیلی کاپٹر اڑایا گیا مگر بعد میں اس میں بھی بے شمار تبدیلیاں کی گئیں۔ شروع شروع میں یہ اگلی سمت کے علاوہ باقی تمام اطراف میں حرکت کر سکتا تھا جو کہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا لیکن 1941ء میں اس مسئلے پر بھی قابو پالیا گیا۔

کیمرہ جدید کیمرہ 89-1888ء میں جارج ایسٹ مین نے متعارف کروایا۔ اس کیمرے سے روشنی میں تصویریں اتاری جا سکتی تھیں لیکن 1925ء میں فلیش بلب کی ایجاد سے کیمرہ روشنی کا بھی محتاج نہیں رہا۔

ٹیلی گراف ٹیلی گراف کا نظام انیسویں صدی کے شروع میں انتہائی سادہ شکل میں موجود تھا۔ بعد میں اس میں بے شمار تبدیلیاں کی گئیں اور بہت سے ماہرین نے اس نظام میں نئی سے نئی تراکیب متعارف کروائیں اور انیسویں صدی کے آخر تک یہ نظام بہت اہمیت کا حامل ہو گیا۔

ٹیلی فون 1876ء میں گراہم بیل (Graham Bell) جو امریکہ میں ووکل فزیالوجی کا پروفیسر تھا نے الیکٹرک ٹیلی فون ایجاد کیا۔ جبکہ ایک اور امریکن، موجد ایلش گرے نے گراہم بیل سے چند گھنٹے بعد اسی طرح کا آلہ ایجاد کیا۔ لیکن گراہم بیل کو ہی اس کا موجد سمجھا جاتا ہے۔

ریڈیو 1879ء میں سب سے پہلے ریڈیو ویو (Radio Wave) کی تجرباتی وضاحت اینگلو امریکن موجد ڈیوڈ ایڈورڈ نے ایک خام ریڈیو ٹرانسمٹر اور ریسیور بنا کر کی۔ اس نے اس آلے سے پیغامات گزارے جو لندن کی گلیوں میں سنے گئے۔ مگر وہ اس ایجاد کی اہمیت اور حقیقت کو مکمل طور پر واضح نہ کر سکا۔ 1894ء میں ایک انگریز اولیور نے ایک ایسا ہی آلہ بنایا جو 450 فٹ دور تک کام کر سکتا تھا۔ 1901ء میں مارکونی نے دنیا کو اس وقت حیران کر دیا جب اس کے ریڈیو سگنلز بحر اوقیانوس کے پار سنائی دیئے۔

ٹیلی ویژن 1936ء میں پبلک ٹیلی ویژن سروس کا آغاز برطانیہ میں B.B.C نے کیا۔ برطانوی سائنسدان گزشتہ پانچ برسوں سے اس پر محنت کر رہے تھے۔ بعد میں رنگین ٹیلی ویژن کا دور شروع ہوا اور آج ہر گھر میں رنگین ٹیلی ویژن موجود ہے۔

فونوگراف 1877ء میں تھامس ایڈیسن نے ایک فونوگراف (گراموفون) ایجاد کیا۔ یہ ہاتھ سے گھمانے والا آلہ تھا۔ یہ مشین آواز کی لہروں کے اتار چڑھاؤ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ہوائی دباؤ کو ریکارڈ کرتی تھی۔ 1894ء میں چارلس پاتھی اور اس کے بھائی امیل نے فونوگراف کی ایک فیکٹری لگائی۔ یہ مختلف ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا جدید شکل میں آگیا اور 1935ء میں AEG ایک جرمن کمپنی نے جدید ٹیپ ریکارڈر بنایا۔

ویڈیو ریکارڈنگ ویڈیو کی ریکارڈنگ ویڈیو کیمرہ کی ریکارڈنگ سے مختلف چیز ہے۔ 1927ء میں جان لوگی نے کیمرہ کوٹو گرانی کے بغیر ایک متحرک فلم (Moving Picture) ریکارڈ کی۔

راڈار بیسویں صدی کے شروع میں اور خاص طور پر جنگ عظیم دوم سے پہلے سونر اور ریڈار بھی دریافت کئے گئے۔ سونر آواز کی لہروں سے پانی میں کسی چیز کا پتہ چلانے کو کہتے ہیں جبکہ راڈار میں جو ویوز (Waves) استعمال کی جاتی ہیں ان سے دور دراز کے علاقے میں کسی بھی جنگی جہاز وغیرہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

راکٹ سازی راکٹ سازی کا آغاز بیسویں صدی کے شروع میں ہوا اور اس میں کچھ پیش رفت جنگ عظیم دوم کے دوران ہوئی۔
1957ء میں روس نے راکٹ کے ذریعے پہلا مصنوعی سیارہ۔

خلائی راکٹ Sputnik-1 چھوڑ کر خلائی دور کا آغاز کیا۔ چاند کی طرف جانے والا پہلا راکٹ بھی روس کا تھا۔ تاہم چاند کی سطح پر اترنے والے پہلے دو انسان امریکی تھے۔ جو جولائی 1969ء کو چاند پر اترے اور چہل قدمی کی۔

سکائی لیب روسیوں نے سالیوٹ (Salyut) اور امریکیوں نے سکائی لیب خلا میں بھیج کر خلائی سٹیشنوں کا آغاز کیا۔ ان خلائی سٹیشنوں پر حیاتیات، کیمسٹری اور فزکس کی تحقیق کا کام آگے بڑھایا گیا۔

بجلی کا بلب ایڈیسن (1931-1847ء) چھوٹی سی عمر میں کئی ایجادات کا موجد بن گیا۔ اس کے ٹرانسمٹر کی وجہ سے گراہم بیل ٹیلی فون بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ بجلی کا بلب بنانے والوں میں بھی اس کا نام سرفہرست ہے۔

نظریہ اضافت آئن سٹائن (1958-1879) جسے بیسویں صدی کا عظیم سائنسدان مانا جاتا ہے اس نے نظریہ اضافت پیش کیا۔ آئن سٹائن نے کائنات کی ساخت اور ماہیت کے متعلق بھی نظریہ پیش کیا۔

تین بنیادی قوتیں ڈاکٹر عبدالسلام پاکستانی طبیعات دان نے چار بنیادی فطری قوتوں میں سے دو کو یکجا کر کے تین قوتوں کی موجودگی کا نظریہ 1979ء میں پیش کیا۔ آئن سٹائن اور دیگر سائنسدانوں کا خیال تھا کہ کائنات میں چار بنیادی قوتیں موجود ہیں (i) کشش ثقل کی قوت (ii) برقی مقناطیسی قوت (iii) کمزور نیوکلیائی قوت (iv) طاقتور نیوکلیائی قوت۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے مطابق برقی مقناطیسی قوت اور کمزور نیوکلیائی قوت ایک ہی قوت ہیں اس قوت کا نام انہوں نے برقی کمزور قوت تجویز کیا۔

حُسن ظن کرنا ایک عبادت ہے

(منشاد احمد نیر - لاہور)

قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

(الحجرات :13)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ بن جاتے ہیں۔

پیارے بچو! کیا آپ کو پتہ ہے کہ حسن ظن اور سوء ظن میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر آپ کسی آدمی کو روتا ہوا دیکھیں تو حسن ظنی رکھنے والا شخص کہے گا کہ اس پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے اور مجھے اس کی ہر ممکن مدد کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس سوء ظن رکھنے والا شخص کہے گا کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے۔ اس لئے اچھا ہوا جو بھی ہوا۔ اگر کوئی شخص کسی کے حالات سے ناواقف ہو تو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اس سے متعلق حسن ظن رکھے وگرنہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص آپ سے متنفر ہو جائے جس کے متعلق آپ سوء ظن قائم کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم جہاں تک ہو سکے کسی سے متعلق بدگمانی کرنے سے بچیں کیونکہ یہ ایک گناہ بھی بن سکتی ہے اور جب تک کسی معاملے سے متعلق خوب وضاحت نہ ہو جائے ہم اپنی طرف سے قیاس آرائیاں نہ کریں بلکہ ہمیشہ ایک مثبت اور پائیدار سوچ کے مالک ہوں۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (مسند احمد و ابو داؤد)

حسن ظنی حسن عبادت میں ہے۔

پیارے قارئین! میں آپ کے سامنے ایک بہت پیارا اور حسن ظنی سے بھرپور واقعہ رکھتا ہوں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا مگر اس شخص نے بعد میں خدا کی قسم کھا کر اس کا انکار کر دیا۔ جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہاری قسم پر اعتبار کرتا ہوں اور اپنے آپ کو جھٹلاتا ہوں۔

یعنی آپ نے ایک شخص کے قسم کھا لینے پر کمال حسن ظن سے کام لیا حالانکہ آپ نے خود اسے دیکھا تھا مگر کسی قسم کی سختی اور جھگڑے سے کام نہ لیا اور معاملہ خدا تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کی نسبت برے برے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب اس کی طرف منسوب ہوں تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ اس لئے اول ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کی جاوے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے۔ کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور انس پیدا ہوتا ہے اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ، بغض، حسد سے بچا رہتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۲۱۵-۲۱۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بدظنی سے منع فرماتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں کہ

"بدظنی سے بچو کیونکہ بدظنی سخت قسم کا جھوٹ ہے اور بدظنی ایک ایسی چیز ہے جو بسا اوقات ہمارے معاشرے میں اتنی پائی جاتی ہے کہ بدظنی کے بعد پھر اور کہانیاں بنتی چلی جاتی ہیں اور انسان کہتا ہے کہ فلاں نے یہ کیا

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

السلام علیکم کو رواج دیں

محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب ۔ امریکہ

کچھ عرصہ ہوا ایک بہن نے مجھے لکھا کہ اگر قران کریم اور سنت نبویؐ کے حوالہ سے دوست اوراحباب سے ملتے ہوئے یا رخصت ہوتے ہوئے السلام علیکم کی حکمت پر کچھ فرمائیں تو بہت مہربانی ہوگی کیونکہ آج کل عام مسلمانوں نے السلام علیکم کہنا بالکل چھوڑ دیا ہے ۔ یا ملتے وقت صرف سلام کا لفظ کہہ دیتے ہیں اور رخصت ہوتے وقت اکثر خدا حافظ کہتے ہیں ۔کبھی بھی السلام علیکم کے الفاظ سننے میں نہیں آئے ۔

خاکسار کا ذاتی مشاہدہ بھی ہے کہ اچھے اچھے سمجھ دار احباب بھی رخصت ہوتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیتے ہیں اور السلام علیکم نہیں کہتے ۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ خدا حافظ کہنا بھی ایک اچھا جملہ ہے اور دعا ہے ۔مگر سوال یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ سے کیا ثابت ہے ۔ جہاں تک قرآن کریم سے استیعاب کیا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپس میں ملتے جلتے اور رخصت ہوتے وقت السلام علیکم کہنا بہت زیادہ پسند ہے بلکہ اس کے لئے خاص ارشاد ہے ۔

قرآن کریم کے چند ارشادات

قرآن کریم کی چند آیات کریمہ جن سے السلام علیکم کی اہمیت ثابت ہوتی ہے پیش کی جاتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب مومنوں کا آپس میں ملنا جلنا ہو اور ایک دوسرے سے ملاقات ہو تو اس وقت ان کو السلام علیکم کہنا چاہیئے ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تو انہیں سلام علیکم کہہ ۔

(سورۃ الانعام 55:6)

اگر چہ اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہے کہ جب کبھی آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو تو ان کو السلام علیکم کہہ ۔ لیکن بالواسطہ یہ تعلیم دراصل امت مسلمہ کو دی گئی ہے کہ مسلمان جب آپس میں ملیں تو دونوں ہی اپنے جذبات اور مسرت کا اظہار کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں پھر قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

پس جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے گھر والوں ، عزیزوں او ر دوستوں کو سلام کیا کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت ہی برکت والی اور پاکیزہ دعا ہے ۔

(سورۃ النور 62:24)

جب دوسرے کے گھروں میں جائیں تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا خاص ارشاد ہے ۔

اے مومنو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک نہ داخل ہوا کرو جب تک گھر والوں سے ان کی اجازت حاصل نہ کر لو اور گھروں میں داخل ہونے سے پہلے ان گھروں میں بسنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ اور یہ تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہوگا ۔

(سورۃ النور 28:24)

مزید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب فرشتے مومنوں کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو پہلے ان کو السلام علیکم کہتے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ۔

اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتا ہے ۔ وہ متقی جن کی روحوں کو فرشتے اس حالت میں کہ وہ پاک نفس ہوں یہ کہتے ہوئے قبض کرتے ہیں کہ اب تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے ۔ لو اب اپنے نیک اعمال کے بدلے میں تم ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ ۔

(سورۃ النحل 16:31-32)

جب یہ متقی اور پاک باز جنت کے دروازوں پر پہنچیں گے تو جنت کے داروغے اور ذمہ دار ان لوگوں کا خیر مقدم اور استقبال السلام علیکم کہہ کر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ جنت تک پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دئے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے تم پر ہمیشہ سلامتی ہو یعنی السلام علیکم ۔ تم بڑی ہی اچھی حالت کو پہنچے ہو ۔ پس اب تم اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ

(سورۃ الزمر 74:39)

اور اہل جنت آپس میں خود بھی ایک دوسرے سے ملتے ہوئے انہی الفاظ یعنی السلام علیکم کو استعمال کریں گے ۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے ۔

ان جنتوں میں خدا کے حضور ان کی یہ پکار ہوگی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور ان کی ایک دوسرے کے لئے یہ دعا ہوگی کہ تم پر ہمیشہ کے لئے سلامتی ہو ۔ (یونس 11:10)

جنت والے اس دن روحانی نشاط کے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے سلام کی صدا ہوگی ۔

قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ السلام علیکم کی پکار اور صدا جنتیوں کی پکار اور صدا ہے ۔ جب بھی متقی پرہیز گار اور مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو جنتیوں والی پکار سے ایک دوسرے کو ملتے ہیں یعنی السلام علیکم کہتے ہیں۔ ایک دوسرے مسلمان سے ملتے ہوئے السلام علیکم کہنا ہی اسلامی طریق ہے ۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات

حضرت رسول کریم ﷺ کے ارشادات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ایک دوسرے کو ملنے کے وقت ہمیشہ السلام علیکم کہنے کی تاکید فرماتے تھے اور یہی آپ کے صحابہ کرام کا اسوہ تھا۔

ایک دفعہ حضورؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی تدبیر نہ بتاؤں کہ جس کو اختیار کر کے تم آپس میں محبت کرنے لگو۔ صحابہ نے عرض کیا ۔

یارسول! اللہ ضرور بتائیں ۔ آپ نے فرمایا آپس میں السلام علیکم کو پھیلاؤ۔ (مشکوۃ)

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: السلام ، خدا تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو خدا تعالیٰ نے زمین میں رکھ دیا ہے ۔ پس السلام علیکم کو آپس میں خوب پھیلاؤ ۔

(الادب المفرد)

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس بھیجتے ہوئے حکم دیا کہ جاؤ اور ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو ۔ وہ سلام کے جواب میں جو دعا دیں اسے غور سے سننا ۔ اس لئے کہ وہ دعا ہی تمہاری اور تمہاری اولاد کی دعا ہو گی ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب فرشتوں کے پاس پہنچے تو کہا السلام علیکم ۔ فرشتوں نے السلام علیکم ورحمتہ اللہ کا اضافہ کر کے جواب دیا ۔ (صحیح بخاری)

ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کا بہترین عمل کونسا ہے ۔ آپ نے فرمایا: غریبوں کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ تمہاری اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو ۔ (صحیح بخاری)

جب آنحضرت ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا: سلام پھیلاؤ ، غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ، رشتہ داروں کا خیال رکھو ، انہیں مضبوط کرو اور نمازیں پڑھو ۔ جب دنیا سوئی ہوئی ہوگی تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے ۔

حضور کے اس خطبہ کو جب صحابہ کرام نے سنا تو وہ شہر کی گلیوں میں پھیل گئے اور ہر آنے جانے والوں کو السلام علیکم کہنا شروع کر دیا ۔

حضرت انسؓ کا کہنا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اور تاکید کی کہ پیارے بیٹے ! جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو پہلے گھر والوں کو سلام کیا کرو ۔ یہ تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے بہت ہی خیر و برکت کی بات ہے ۔

(جامع ترمذی)

حضرت انسؓ بچوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا آنحضرت ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے ۔ (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بچوں کو جب بھی خط لکھتے تو انہیں سلام لکھا کرتے ۔

(الادب المفرد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ بہت زیادہ سلام کیا کرتے تھے ۔ سلام کی کثرت کا یہ حال تھا کہ اگر کسی وقت آپ کے ساتھی کسی درخت کے اوٹ میں ہو جاتے اور پھر سامنے آتے تو پھر سلام کرتے ۔

آپ کا ارشاد ہے جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے اور اگر درخت یا دیوار یا پتھر بیچ میں اوٹ بن جائے اور پھر وہ اس کے سامنے آئے تو اس کو پھر سلام کرے ۔ (ریاض الصالحین)

حضرت طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں اکثر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے ہمراہ بازار جایا کرتا جب بھی ہم دونوں بازار جاتے تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جس کے پاس سے گزرتے اس کو سلام کرتے خواہ وہ کباڑیہ ہوتا ۔ چاہے کوئی دوکاندار ہوتا ، کوئی غریب ہوتا اور مسکین ہوتا آپ اس کو ضرور سلام کرتے ۔

ایک دن میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کہا چلو بازار چلیں ۔ میں نے کہا حضرت بازار جا کر کیا کرنا ہے ۔ آپ نہ تو کوئی سودا خریدتے ہیں نہ ہی کسی کے بارہ میں معلومات حاصل کرتے ہیں ، نہ مول بھاؤ کرتے ہیں ، نہ بازار کی محفلوں میں بیٹھتے ہیں ۔ آیئے یہیں بیٹھ کر کچھ بات چیت کریں ۔ آپ نے فرمایا: اے ابوالحسن ! ہم تو صرف سلام کرنے کی غرض سے بازار جاتے ہیں کہ ہمیں جو ملے ہم اسے سلام کریں ۔ (موطا امام مالک)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے ۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے ۔ (سنن ابوداؤد)

سلام کے جواب میں وعلیکم السلام ہی کہنے پر اکتفاء نہ کریں بلکہ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ کا اضافہ بھی کریں ۔ مطلب یہ ہے کہ السلام علیکم کہنے میں اور اس کے جواب میں بخل نہ کریں ۔ اور السلام علیکم کے الفاظ میں کچھ بہتر دعا کا اضافہ کریں ۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم وہی الفاظ دھرادئے جائیں تاہم سلام کا جواب ضرور دیں ۔

حضرت عمران بن حصینؓ کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا السلام علیکم ۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: عشرہ یعنی دس نیکیاں ملیں ۔ پھر دوسرا شخص آیا ۔ اس نے السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہا ۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: عشرون یعنی بیس نیکیاں ملیں ۔ ان کے بعد ایک تیسرا آدمی آیا اور اس نے آپ سے ملتے ہوئے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔ آنحضور ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا: ثلثین اس کو تیس نیکیاں ملیں ۔ (جامع ترمذی)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جب دو مومن ملتے ہیں اور سلام کے بعد مصافحے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو دونوں کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے خشک پتے ۔

(طبرانی)

الغرض قرآن کریم ، آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور صحابہ کرام کے طریق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریق کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریق اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ کو ہی رواج دیتے رہے اور اس کی ہی تاکید فرماتے رہے۔

دراصل السلام علیکم ایک دوسرے کو ملتے ہوئے کہنا جذبات محبت ومودت کا تبادلہ ہے ۔ ایک دوسرے کے لئے بہترین سلامتی و عافیت کی دعا ہے سلامتی اور عافیت کی یہ ایک ایسی جامع دعا ہے جو ہر وقت کے لئے ہے اور کسی مخصوص وقت کے لئے نہیں ۔ یہ دعا باہمی الفت ومحبت بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے ۔ جب ہم کسی مسلمان بھائی کو السلام علیکم کہتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو ہر قسم کی سلامتی اور عافیت سے نوازے ۔ آپ کو، آپ کے دین و ایمان کو اور آپ کے اہل خانہ کو سلامت رکھے۔

پس ایسی مبارک اور جامع دعا کو ترک کر کے کسی ایسے طریق کو اختیار کرنا جو قرآن کریم کے بتائے ہوئے طریق کے خلاف ہو آنحضرت ﷺ کے اسوہ کے برعکس ہو ہرگز مناسب نہیں۔

سب برکتیں آنحضرت ﷺ کی اتباع میں ہیں. حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کا طریق بھی اسوہ نبوی ﷺ کے مطابق تھا۔

قادیان کے زمانہ میں بھی ہم نے یہی دیکھا کہ جب بھی ہم ایک دوسرے سے ملتے السلام علیکم ضرور کہتے بلکہ بعض صحابہ کرام تو السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہتے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کی جامع دعا اور پاک اسوہ کو اختیار کریں۔

☆☆☆☆☆☆

صفحہ ۱۳ سے آگے

یوں کیا ہو گا...... ایسا بے ہودہ طریق ہے جو آنحضرت ﷺ کی کھلی نصائح کو ترک کرنے اور ان کو اہمیت نہ دینے کے نتیجے میں ہماری سوسائٹی میں رفتہ رفتہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(از خطبہ جمعہ ۲۵ نومبر ۱۹۹۵ء)

حسنِ ظن آزماؤ خدا سے ڈرو
دیکھو چغلی نہ کھاؤ خدا سے ڈرو

☆☆☆

ہمارا ایمان

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

(درثمین)

درسِ توحید

درثمین

کلام امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

اک نہ اک دن پیش ہوگا تُو خدا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہوگی تجھے دنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبور ہے حکمِ خدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھکو سدا
رنج و غم یاس و اَلم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تُو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کشا کے سامنے

حاجتیں پوری کرینگے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیئے تجھکو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جھکا بس مالک ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دن جانا ہے تجھکو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ چلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو زورِ دعا دیکھو تو

جماعت احمدیہ میں

نظام شوریٰ

(چوہدری حمید اللہ ۔ وکیل اعلیٰ تحریک جدید)

"مجالس شوریٰ خلافت کے بعد جماعت احمدیہ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں"۔ "خلافت اور شوریٰ .... دینی نظام کی جان ان دو چیزوں میں ہے"۔

اگلے چند ماہ کے دوران دنیا کے مختلف ممالک میں جماعت ہائے احمدیہ عالمگیر کی مجالس مشاورت منعقد ہوتی ہیں ۔ شوریٰ کی اہمیت ،اس کے قواعد و ضوابط ،اس کا طریق اور اس کے آداب اور اس کی اعلیٰ اسلامی روایات اور نمائندگان شوریٰ کے فرائض وغیرہ بہت سے اہم امور سے متعلق مکرم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید نے قرآن مجید ، احادیث نبویہ ، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کرام کے پاک نمونے اور آپ کے ارشادات و ہدایات پرمشتمل ایک مختصر اور جامع مضمون مرتب فرمایا ہے جو ہم احباب جماعت کے استفادہ کے لئے الفضل انٹرنیشنل میں شائع کرنے کی توفیق و سعادت پا رہے ہیں ۔

ہمیں امید ہے کہ احباب جماعت اور بالخصوص عہدیداران اور نمائندگان شوریٰ نہ صرف یہ کہ پورے غور اور توجہ سے ان ہدایات و ارشادات کا مطالعہ کریں گے بلکہ انہیں اپنے دل میں جگہ دیں گے اور ہمیشہ دلی خلوص کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی فرمائیں گے ۔ وباللّٰہ التّوفیق۔ (ادارہ)

قرآن کریم نے اسلامی نظام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول باہمی مشورہ کا بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

۱۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:۳۹)

"یعنی ان کا طریق یہ ہے کہ اپنے ہر معاملہ کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں"۔ (تفسیر صغیر)

۲۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۶۰)

یعنی، پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لئے نرم ہو گیا۔ اور اگر تُو تُندخُو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔ پس ان سے درگزر کر اور ان کے لئے بخشش کی دعا کر اور (ہر) اہم معاملہ میں ان سے مشورہ کر۔ پس جب تُو (کوئی) فیصلہ کر لے تو پھر اللہ ہی پر توکل کر۔ یقیناً اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

احادیث نبوی میں بھی مشورہ کے اصول کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ مَشْوَرَةً لِاَصْحَابِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"۔

(ترمذی کتاب الجہاد باب ما جاء فی المشورۃ)

یعنی میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۲)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بسا اوقات ایسا معاملہ سامنے آ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم یا آپ کی سنت سے علم نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کیا کریں؟ حضورؐ نے فرمایا:

"اِجْمَعُوْا لَهُ الْعَابِدِيْنَ مِنْ اُمَّتِيْ وَاجْعَلُوْهُ بَيْنَكُمْ شُوْرٰى وَلَا تَقْضُوْا بِرَاْيٍ وَاحِدٍ"۔

(درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۰ و اعلام الموقعین لابن قیم جلد ۱ صفحہ ۵۴)

یعنی اس غرض کے لئے میری امت کے عبادت گزار بندوں کو جمع کر کے معاملہ ان کے سامنے پیش کرو اور فیصلہ کے لئے فقط فرد واحد کی رائے پر انحصار نہ کرو۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ"۔ کہ خلافت بغیر مشورہ کے نہیں۔ (کنزالعمال کتاب الخلافۃ مع الامارۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹)

آنحضرت ﷺ اور خلفاء کا طریق مشورہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

(۱)

"آنحضرت ﷺ پر کثرت مشورہ کے دونوں پہلو اطلاق پاتے تھے ۔ آپؐ لوگوں سے کثرت سے مشورہ کیا کرتے تھے اور لوگ آپؐ سے کثرت سے مشورہ کیا کرتے تھے اور دوسرے پہلو میں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رہے کہ جو مشورہ کرتے تھے ان کے متعلق اللہ کا حکم تھا کہ جب رسول فیصلہ دے دے تو پھر تم مجاز نہیں ہو کہ اس کے خلاف ہٹ سکو۔ اب آنحضرت ﷺ کے

مشورہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک مشورہ دے رہے ہیں، ایک لے رہے ہیں۔ جب مشورہ دے رہے ہیں تو مشورہ لینے والا مجاز ہی نہیں ہے کہ اس سے پیچھے ہٹے اور جب مشورہ لے رہے ہیں تو آپ مجاز ہیں کہ کیونکہ آپ سے بہتر اللہ کی رضا اور کوئی نہیں جانتا تھا"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷/مارچ ۱۹۹۸ء)

(۲)

"آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جو مشورہ کے واقعات ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا وقت تو نہیں مگر ہر قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ کہیں آپؐ نے ایک خاتون سے مشورہ کیا، کہیں چند صحابہ سے مشورہ کیا، کبھی پوری جماعت سے مشورہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے وقت پوری جماعت سے مشورہ کیا اور پوری جماعت کے فیصلے کو ردّ فرمادیا"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/مارچ ۱۹۹۶ء)

(۳)

"مشورہ کیا ہر چھوٹے بڑے سے اور مشورہ میں یہ بات پیش نظر رکھی کہ مشورے کی صلاحیت ہے تو اس سے مشورہ کیا جائے۔ اور چونکہ ہر کام میں ہر شخص کو صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے بعض مواقع پر بعض خاص لوگوں کو بلوایا، ان سے مشورہ کیا۔ بعض کاموں پر کسی اور کو بلا لیا لیکن اس قسم کی مجلس شوریٰ جیسا کہ اب رواج ہے قانونی حساب سے اور باقاعدہ ڈیماکریسی کے طریق پر ووٹ کر کے یہ وہاں اس وقت رائج نہیں تھی۔ یہ وقت کے پھیلے ہوئے تقاضوں کے نتیجہ میں بنا ہے مگر بنیادی چیز وہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرز شوریٰ تھی"۔ (خطبہ جمعہ ۲۸/مارچ ۱۹۹۷ء)

☆……☆……☆……☆

(۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اب میں رسول کریم ﷺ اور خلفاء کے زمانہ میں مشورہ کا جو طریق تھا وہ بیان کرتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ اور خلفاء تین طریقے سے مشورہ لیتے تھے۔

الف…… جب مشورہ کے قابل کوئی معاملہ ہوتا تو ایک شخص اعلان کرتا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ اس پر لوگ جمع ہو جاتے۔ عام طور پر یہی طریق رائج تھا کہ عام اعلان ہوتا اور لوگ جمع ہو کر مشورہ کر لیتے اور معاملہ کا فیصلہ رسول کریم ﷺ یا خلیفہ کر دیتے۔

ب…… دوسرا طریق مشورے کا یہ تھا کہ وہ خاص آدمی جن کو رسول کریم ﷺ مشورہ کا اہل سمجھتے ان کو الگ جمع کر لیتے باقی لوگ نہیں بلائے جاتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تیں (۳۰) کے قریب ہوتے تھے۔ رسول کریم ﷺ سب کو ایک جگہ بلا کر مشورہ لے لیتے۔ کبھی تین چار کو بلا کر مشورہ لے لیتے۔

ج…… تیسرا طریق یہ تھا کہ آپ کسی خاص معاملہ میں جس میں آپ سمجھتے تھے کہ دو آدمی بھی جمع نہ ہونے چاہئیں۔ علیحدہ علیحدہ مشورہ لیتے۔ پہلے ایک کو بلا لیا اس سے گفتگو کر کے اس کو روانہ کر دیا۔ اور دوسرے کو بلا لیا۔ یہ ایسے وقت میں ہوتا جب خیال ہوتا کہ ممکن ہے رائے کے اختلاف کی وجہ سے دو بھی آپس میں لڑ پڑیں۔

یہ تین طریقے تھے مشورہ لینے کے اور یہ تینوں اپنے اپنے رنگ میں بہت مفید ہیں۔ مَیں بھی ان طریق سے مشورہ لیتا ہوں"۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء، صفحہ ۶،۷)

☆……☆……☆

(۵)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"خلافت صرف خدا ہی کے حضور سر نہیں جھکاتی۔ اپنے سے پہلے اولی الامر کے حضور بھی اس طرح سر جھکاتی ہے کہ کامل طور پر اس کا اپنا وجود مٹ کر اپنے آقا کے وجود میں، جہاں تک اطاعت کا تعلق ہے، تبدیل ہو جاتا ہے۔ پس یہ بھی ایک ایسا معاملہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خلفاء نے بھی یہی سمجھا اس آیت کا مفہوم کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جو بھی امت محمدیہ میں صاحب امر بنایا جائے گا، اگر خدا براہ راست بنائے تو وہ امام مہدی کے طور پر آیا اور گزر گیا، لیکن جو بھی بنایا جائے گا بطور خلیفہ کے اس پر بھی اسی آیت (آل عمران: ۱۶۰) کا اطلاق ہوگا۔ جب وہ فیصلے کرے گا، مشورہ ضرور کرے گا لیکن مشوروں کے بعد فیصلہ خلیفہ وقت کا ہو گا اور جو وہ فیصلہ کرے گا اسے خدا کی تائید حاصل ہو گی اور پھر اس کا کام بھی توکل ہے اور وہ توکل ہی کرے گا تو وہ فیصلہ کرے گا"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱/مارچ ۱۹۹۵ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۸۔۲۲ مئی ۱۹۹۵ء)

(۶)

"مشورہ کا رواج مسلمانوں میں جس شان اور جس کھلی وضاحت کے ساتھ قرآن میں ملتا ہے یعنی قرآن کے ذریعے مسلمانوں کو عطا ہوا ہے یہ رواج دنیا کی کسی الٰہی کتاب میں یہ بات نہیں ملتی۔ وہ جو قرآن کی امتیازی شانیں ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ مشورے کا اور شوریٰ کا جو نظام وقت کے امام اور عامۃ المسلمین کے حوالے سے کھول کر بیان فرمایا گیا ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی"۔ (خطبہ جمعہ ۱۳/مارچ ۱۹۹۵ء)

☆……☆……☆……☆

(۷)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ۱۹۷۳ء کی مشاورت کے موقعہ پر فرمایا:

"قرآن کریم نے کہا ہے شَاوِرْھُمْ سب سے مشورہ کرو۔ اس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک مشورہ

وہ ہے جو سارا سال ہوتا رہتا ہے ۔ پھر اس کی بھی آگے کئی شکلیں ہیں۔ایک وہ شکل ہے کہ کوئی ناظر یا کوئی عہدیدار اپنے کام کے متعلق مشورہ لیتا ہے یا خلیفۂ وقت جن دوستوں سے مناسب سمجھتا ہے ان سے مختلف معاملات کے متعلق مشورہ کرتا رہتا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے اور وہ بڑی پیاری شکل ہے کہ جس دوست کے ذہن میں کوئی تجویز آتی ہے وہ مجھے بھیجتا ہے ۔ مَیں نے کہا ہے کہ یہ شکل بڑی پیاری ہے اس لئے کہ یہ میرے قلبی وذہنی سکون کا باعث بنتی ہے "۔(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۱۔۱۲ (غیر مطبوعہ)

(۸)

"شَاوِرْهُمْ کے حکم کے اندر یہ بھی آ جاتا ہے کہ ہر ایک کی بات ماننا ضروری نہیں ہے کیونکہ اگر ایک ہی بات کے متعلق پچاس آدمی مختلف آراء کا اظہار کریں تو گویا پچاس متضاد باتیں ایک ہی وقت میں کیسے مانی جاسکتی ہیں۔ لیکن پچاس متضاد باتوں سے میرے لئے بہت سے مفید اور کار آمد نکتے نکل سکتے ہیں۔مَیں ان سے فائدہ اٹھاتا ہوں "۔(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۴۔۱۵ (غیر مطبوعہ)

(۹)

"پس جہاں تک شَاوِرْهُمْ میں شوریٰ کا تعلق ہے اس سے صرف یہی مراد نہیں کہ صرف مجلس مشاورت میں آکر مشورہ دے دیا جائے اور بس۔دوران سال ہر روز مشورہ دیا اور لیا جاتا ہے"۔

(رپورٹ (غیر مطبوعہ) مشاورت ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۸)

(۱۰)

"غرض ایک تو ہے روزمرہ کا مشورہ جو قائم رہنا چاہئے ۔جماعت کو یہ عادت ہونی چاہئے کہ جس دوست کے ذہن میں کوئی بات یا تجویز آئے یا کسی دوست کی کوئی حرکت جو اس کے نزدیک مناسب نہیں یا سلسلہ کی روایات کے خلاف ہے اسے مرکز میں پہنچا کر سبکدوش ہو جانا چاہئے "۔(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۱۔۲۲ غیر مطبوعہ)

(۱۱)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جہاں تک مجلس شوریٰ کا سوال ہے اسے کس شکل میں بلایا جائے،اس کی نمائندگی کا کیا طریق ہو ،انتخاب کس اصول پر ہو وغیرہ ۔یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کا فیصلہ کرنا خلیفۂ وقت کا کام ہے۔اور اس کے متعلق خلیفۂ وقت مشورہ کے بعد اکثریت کے حق میں فیصلہ کر رہا ہو یا اکثریت کے خلاف فیصلہ کر رہا ہو یہ علیحدہ بات ہے لیکن بہر حال وہ مشورہ لیتا ہے اور کام کرتا ہے"۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۴۶)

(۱۲)

اسی طرح ۱۹۷۶ء کی مجلس مشاورت میں آپؒ نے فرمایا:

"جہاں تک مشورہ کا سوال ہے جماعت کے ہر فرد کا حق نہیں کہ وہ مشورہ دے بلکہ خلیفۂ وقت کا حق ہے کہ جماعت اس کو مشورہ دے۔

ان دونوں میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ جماعت کے ہر فرد بشر کا یہ حق ہے کہ خلیفۂ وقت کو مشورہ دے تو ہزاروں آدمی ایسے ہونگے جو کہیں گے ہمارا حق ہے ہم اسے چھوڑتے ہیں،ہم نہیں دیتے مشورہ۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ خلیفۂ وقت کا حق ہے کہ جس کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز آتی ہے جو جماعت کی ترقی کے لئے مفید ہو وہ خلیفۂ وقت تک پہنچائے اور جب یہ خلیفۂ وقت کا حق ہو اور کوئی شخص وہ تجویز خلیفۂ وقت تک نہیں پہنچاتا تو وہ حق مارنے والا ہو جائے گا۔ پہلی صورت میں وہ یہ کہے گا کہ میرا حق ہے مَیں نہیں دیتا۔ دوسری صورت میں وہ خلیفۂ وقت کا حق مار رہا ہے اس کو اس کی اجازت نہیں مل سکتی۔

لیکن جہاں تک عام مشورہ کا تعلق ہے مَیں ان سینکڑوں افراد جماعت کا اور اپنے بھائیوں کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ مجھے مشورہ دیتے رہتے ہیں اور بڑے اچھے مشورے دیتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض بڑی اچھی باتیں ان کے ذہن میں آتی ہیں لیکن موجودہ حالات میں اور موجودہ وسائل جو ہمیں حاصل ہیں ان کی وجہ سے ہم اس مشورہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے ۔ لیکن وہ باتیں بہر حال بڑی اچھی ہوتی ہیں اور کسی وقت ہمارے کام آسکتی ہیں "۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۶ء صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶، غیر مطبوعہ)

☆......☆......☆......☆

(۱۳)

۱۹۷۸ء کی مجلس شوریٰ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا:

"قرآن کریم نے مشورہ اور عزم کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہے ۔﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ تو مشورہ جو ہے وہ ضروری ہے۔ مشورہ کے بعد چار شکلیں بن جاتی ہیں:

(۱)...... شوریٰ متفقہ رائے دے اور خلیفۂ وقت اس کی منظوری دے دیں۔

(۲)...... کثرت رائے والے مشورہ کو منظوری مل جائے۔

(۳)...... کم رائے والے مشورہ کے حق میں خلیفۂ وقت فیصلہ دے دیں۔

(۴)...... متفقہ رائے والے مشورہ کے خلاف فیصلہ ہو جائے۔

حکم یہ ہے کہ جو بھی صورت ہو جس وقت فیصلہ ہو جائے تو سارے کے سارے سوفیصد جو ہیں

ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ عزم کریں کہ اس کے مطابق اب کام کیا جائے۔ اس معنی میں شوریٰ کو عزم کے ساتھ بریکٹ کر دیا گیا ہے۔ دونوں کو متحد کر دیا گیا ہے"۔(رپورٹ مشاورت ۱۹۷۸ء (غیر مطبوعہ)۔ صفحہ ۳تا ۵ ملخصاً)

(۱۴)

اسی طرح فرمایا:

"حکم ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ .فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ.إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ مشورہ کرنا ضروری ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ ہر انسان کا دماغ اور فکر اور سوچ دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اور جب ہر فکر کو یہ موقع دیا جائے کہ اگر اس ذہن میں کوئی بات ایسی ہے جو اس کے نزدیک سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مفاد میں ہو تو بے تکلف اسے بیان کرے۔

اور دوسری مصلحت اس میں یہ ہے کہ جو مشورہ لینے والا ہے وہ تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میرے علاوہ کسی اور کے دماغ میں کوئی بات آ ہی نہیں سکتی۔ لیکن فیصلہ مشورہ لینے والے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ مشورہ سننا ضروری ہے، ماننا ضروری نہیں"۔

(رپورٹ مشاورت ۱۹۸۲ء (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲،۳)

☆......☆......☆......☆

(۱۵)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سلسلہ احمدیہ کے تمام افراد کے لئے قیام وحدت اور اجتماع کلمہ اور ملی فرائض کی بجا آوری کے لئے ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے اور اس بیعت کے بغیر کوئی شخص جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ شخص جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے مطابق احکام قرآن خلیفہ یا مطابق سنت صحابہ امیر المومنین کہلائے گا اور تمام اجتماعی امور جماعت اس کی وساطت سے اور اس کی ہدایت اور اس کی راہنمائی کے ماتحت طے پائیں گے۔ اور اس کے اختیارات کو محدود کرنے والی چیزیں صرف خدا تعالیٰ کی مرضی اور اس کا کلام اور اس کا فعل اور سنت رسول کریم ﷺ اور حدیث جو مطابق قرآن ہو اور وحی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام اور کتب مسیح موعودؑ اور اس کی اپنی عقل ہوگی"۔

"مشورہ لینے کا حق اسلام نے نبی کو اور اس کی نیابت میں خلیفہ کو دیا ہے مگر کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی یا خلیفہ کے سامنے تجاویز پیش کرنے کا حق دوسروں کے لئے رکھا گیا ہے۔ کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ کسی نے اپنی طرف سے رسول کریم ﷺ کے سامنے تجویز پیش کی ہو اور اسے اپنا حق سمجھا ہو"۔

(رپورٹ مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۷)

(۱۶)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں:

"دنیاوی مجالس مشاورت میں تو یہ ہوتا ہے کہ ان میں شامل ہونے والا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ چاہے میری بات رد کر دو مگر سن لو۔ لیکن خلافت میں کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں۔ یہ خلیفہ کا ہی حق ہے کہ جو بات مشورہ کے قابل سمجھے اس کے متعلق مشورہ لے اور شوریٰ کو چاہئے کہ اس کے متعلق رائے دے۔ شوریٰ اس کے سوا اپنی ذات میں اور کوئی حق نہیں رکھتی کہ خلیفہ جس امر میں اس سے مشورہ لے اس میں وہ مشورہ دے"۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۲،۴۳)

☆......☆......☆......☆

(۱۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ۱۹۷۰ء کی مجلس شوریٰ سے خطاب میں فرمایا:

"اب اس شوریٰ کی جو کارروائی تھی وہ تو ختم ہو گئی ہے مگر جو اس کی باطنی اور روحانی کارروائی ہے وہ تو انشاء اللہ آئندہ مجلس شوریٰ تک جاری رہے گی"۔(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۷۰ء (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۹۲)

☆......☆......☆......☆

(۱۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مجلس شوریٰ ۱۹۸۳ء میں فرمایا:

"اسلامی نظام شوریٰ عورت یا مرد کے مشورہ دینے کے حق کی بات ہی کہیں نہیں کرتا۔ بلکہ شوریٰ سے متعلق دو طرح کے اظہار ہیں۔ ایک ہے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾۔ اس میں مشورہ لینے والے کو حکم ہے یعنی اسے جو خود رسول ہو یا مسند خلافت پر بیٹھا ہو۔ اس کی نمائندگی میں اسے ظلی طور پر یہ آیت مخاطب کرے گی۔ اس کے لئے حکم ہے، 'فرض ہے کہ وہ لازماً مشورہ لے'۔"(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۸۳ء (غیر مطبوعہ) صفحہ ۴۷)

☆......☆......☆......☆

(۱۹)

۱۹۶۷ء کی مجلس شوریٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"آنحضرت ﷺ کے اسوۂ مبارک کو دیکھا جائے تو آپ کے زمانہ کے حالات کے مطابق آپ نے دس پندرہ آدمیوں سے لے کر ایک ہزار تک کی شوریٰ بلائی۔ تاریخ نے آنحضرت ﷺ کے بعض ایسے مشورے بھی ریکارڈ کئے ہیں جن میں مشورہ

دینے والے دس پندرہ آدمیوں سے زیادہ نہیں تھے۔ اور بعض مواقع پر مشورہ دینے والے اس سے زیادہ تھے۔ پس معلوم ہوا کہ دس پندرہ آدمیوں سے لے کر ایک ہزار تک آدمیوں سے مشورہ لینے کی سنت قائم کی ہے"۔

(رپورٹ مجلس شوریٰ ۱۹۶۷ء غیر مطبوعہ صفحہ ۲۵)

☆......☆......☆......☆

جماعت احمدیہ اور نظام شوریٰ

(۱)

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (بعدہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

"حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اہم امور میں صائب الرائے احباب سے مشورہ لینے کی سنت پر ہمیشہ کاربند رہے اور وقتاً فوقتاً عندالضرورت کبھی انفرادی طور پر اور کبھی اجتماعی طور پر احباب جماعت سے مشورہ لینے کا انتظام فرمایا۔ اجتماعی مشورہ کی ایک اہم مثال ۱۸۹۱ء میں ہمارے سامنے آتی ہے جب کہ دسمبر میں جماعت احمدیہ کا پہلا جلسہ سالانہ منعقد کیا گیا۔ جماعت کی تعداد اس وقت اتنی قلیل تھی کہ جلسہ کے موقع پر صرف ۷۵ زائرین شامل ہوئے۔ اس قلیل تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے جلسہ اور مشاورت کا الگ انتظام کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی جلسہ سالانہ سے مشاورت کا کام بھی لیا اور جماعت احمدیہ کی اس پہلی مجلس مشاورت میں جو تجویز پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت ظاہر ہونے والے نشانات کا ریکارڈ محفوظ کرنے کی خاطر ایک...... انجمن بنائی جائے...... یہ تجویز بالاتفاق اس ترمیم کے ساتھ منظور ہوئی کہ فی الحال حضرت مسیح موعودؑ کے رسالہ 'آسمانی فیصلہ' کو جس میں یہ تجویز موجود ہے شائع کر دیا جائے"۔

(سوانح فضل عمر جلد ۲ صفحہ ۱۷۵)

(۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"مجلس شوریٰ کا جو نظام جماعت احمدیہ میں اس طریق پر رائج ہے جو آج کل ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس کا آغاز دراصل حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ۱۹۲۲ء میں کیا۔ ۱۹۲۲ء میں پہلی بار باقاعدہ ایک انسٹی ٹیوشن کے طور پر مجلس شوریٰ وجود میں آئی اور بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ بحیثیت انسٹی ٹیوشن اس کا وجود میں آنا نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ مالی معاملات ایسی نوعیت اختیار کر رہے تھے کہ جس کے نتیجے میں محض اتفاقاً کبھی اس سے مشورہ کر لینا کافی نہیں تھا بلکہ ساری جماعت کو جو چندہ دہندہ ہے اس کو اعتماد میں لینا اور ان امور پر فیصلوں میں ان کا مشورہ طلب کرنا ضروری تھا۔ اور یہی مجلس شوریٰ ہے جو برکت پا کر پھولتی پھلتی رہی اور اب خدا کے فضل سے بہت سے دنیا کے ممالک میں بعینہٖ اسی مجلس شوریٰ کے نمونے قائم ہو چکے ہیں"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۱/مارچ ۱۹۹۵ء)

۱۹۲۲ء سے شروع ہو کر موجودہ صورت میں مجلس مشاورت پہلے قادیان میں، پھر ربوہ میں اور ۱۹۸۵ء سے لندن میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ۹/ستمبر ۱۹۹۲ء کو برسلز میں منعقدہ بلجیم کی مجلس شوریٰ سے خطاب میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"مجلس شوریٰ کا نظام جماعت کی زندگی کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آج سے آٹھ دس سال پہلے مجلس شوریٰ کا نظام مرکزی طور پر جماعت میں تو قائم تھا اور وہیں بین الاقوامی مجلس شوریٰ کا بھی جلسے کے بعد انعقاد کر دیا جایا کرتا تھا۔ یا مجلس شوریٰ میں بین الاقوامی تجاویز آجایا کرتی تھیں۔ لیکن ہر ملک کی مجلس شوریٰ کا پہلے رواج نہیں تھا۔ تو میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ قرآن کریم نے مجلس شوریٰ پر غیر معمولی زور دیا ہے اور اسلامی نظام خلافت کے بعد یہ سب سے زیادہ اہم ادارہ ہے جس سے جماعت کی تربیت ہوتی ہے اسے ہر ملک میں جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جب سے یورپ اور مغرب اور افریقہ اور بعض دیگر مشرقی ممالک میں شوریٰ کا نظام جاری کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ غیر معمولی طور پر جماعت میں صحت اور توانائی کے آثار ظاہر ہوئے ہیں۔ بہت سے فوائد کے علاوہ ایک تو مجلس شوریٰ میں شامل ہونے سے نظام جماعت کی ذمہ داری کے ساتھ براہ راست وابستہ ہونے کی توفیق ملتی ہے۔ ہر ممبر جو مجلس شوریٰ کا ممبر بن کر تجاویز پر غور کرنے کے لئے مجلس شوریٰ میں شمولیت کرتا ہے اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت اہم ادارہ ہے جس میں اس نے حصہ ڈالا ہے اور اس کے ذریعہ ساری جماعت کی نمائندگی ہو جاتی ہے"۔

(خطاب فرمودہ ۹/ستمبر ۱۹۹۲ء بمقام برسلز بلجیم (قلمی) برموقعہ شوریٰ)

(۴)

"مجالس شوریٰ خلافت کے بعد جماعت احمدیہ میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ خلافت اور شوریٰ یہ دو مضامین ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دینی نظام کی جان ان دو چیزوں میں ہے۔ اس پہلو سے مَیں نے تمام دنیا میں مجالس شوریٰ کے انعقاد پر زور دیا اور کوشش کر رہا ہوں کہ ان کے اوپر نظر بھی رکھوں۔ اور اگر کہیں غلطیاں ہو رہی ہیں تو اپنے سامنے ان کی اصلاح کر دوں تا کہ آئندہ صدی میں ہماری طرف سے کوئی غلط روایات آگے نہ پہنچ جائیں۔ اور جہاں

تک مجلس شوریٰ کی روایات کا تعلق ہے یہ حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے ایک بڑے لمبے دور پر پھیلی پڑی ہیں اور بہت ہی قیمتی روایات ہیں۔ ان سے آشنائی کے بعد مجلس شوریٰ کا جو تصور دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور ذہن پر نقش ہوتا ہے اس تصور کو میں نے ان مجالس شوریٰ میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور کر رہا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۴ء بمقام لندن)

(۵)

جرمنی کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۸/اپریل ۱۹۹۵ء کے آغاز والے دن خطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ نے فرمایا:

" جرمنی کی جماعت کو میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ نظام کے لحاظ سے یہ معاملہ بہت سدھر چکا ہے اور اپنی بلوغت کو پہنچ گیا ہے۔ لوگ سمجھ چکے ہیں کہ کس حد تک مجلس شوریٰ میں شامل ممبران کو آزادی ہے، کس حد تک خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ شریعت ان کے ہاتھ روکتی ہے کہ آگے نہیں بڑھنا، ان کی زبان پر قدغن لگاتی ہے کہ اس سے آگے نہ بڑھو۔ یہ جو امور ہیں ظاہری نظم و ضبط کے، اس لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب معاملہ پوری طرح نظم و ضبط کے دائرے میں آچکا ہے اور سب لوگ سمجھ گئے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے حقوق کا پتہ ہے، ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں کا پتہ ہے"۔ (خطبہ فرمودہ ۲۸/اپریل ۱۹۹۵ء)

(۶)

اسی خطبہ کے شروع میں فرمایا:

"اگر شوریٰ کے نظام کو ہم بڑی احتیاط کے ساتھ جاری کر دیں۔ اس میں جتنے بھی تقویٰ سے ہٹے ہوئے رجحانات داخل ہونے کا امکان ہے ان رجحانات کے راستے بند کر دیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت بہت تیزی سے ترقی کرے گی"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸/اپریل ۱۹۹۵ء)

(۷)

اسی طرح حضور ایدہ اللہ نے ۱۹۹۴ء میں فرمایا:

"تاریخی لحاظ سے ایک بہت ہی دلچسپ حوالہ ہے۔ کس طرح مجلس شوریٰ کا ارتقاء ہوا ہے۔ کس طرح مجلس شوریٰ میں خلافت اور جماعت اسی طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہے جیسے روزمرہ کے کاموں میں ویسے ہی ہم آہنگ ہے اور دو الگ الگ وجود نہیں رہتے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"سو میں سے صرف ایک دفعہ مجھے اپنے طور پر فیصلہ کرنا پڑتا ہے ورنہ ننانوے دفعہ میں فیصلہ اس طرح کرتا ہوں کہ کچھ اس کی رائے میں سے لیا اور کچھ اس کی رائے میں سے اور ایک نتیجہ پیدا کر لیا۔ اگر عوام کو مجلس مشاورت میں شامل نہ کرتے تو وہ بھی صرف اپنے گھر کی ضروریات کے متعلق ہی اپنے دماغوں سے کام لینے کے عادی ہوتے"۔

"لیکن جب ہم نے ان کو اپنی مشاورت میں شامل کر لیا تو اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے دماغ ترقی کر گئے۔ چنانچہ ان کی آراء کے ٹکڑے ٹکڑے مل کر ایک مکمل سکیم بن جاتی ہے جو جماعت کے لئے نہایت مفید اور بابرکت ثابت ہوتی ہے"۔

(تفسیر کبیر جلد دہم صفحہ ۱۸۲۔۱۸۳)

پس اسی طریق کو تمام مجالس شوریٰ عالمگیر میں جاری رکھنا چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/اپریل ۱۹۹۴ء)

(۸)

نیز فرمایا: "پس میں امید رکھتا ہوں کہ تمام دنیا میں مجالس شوریٰ انہی نصیحتوں کو پیش نظر رکھ کر جاری رہیں گی اور جاری کی جائیں گی۔ اور اعلیٰ اخلاق کی حفاظت کی جائے گی۔ کوئی بات اس طریقے پر نہیں کی جائے گی جس میں کسی قسم کا تلخی کا یا اپنے بھائی کی دل آزاری کا عنصر ہو۔ اور اگر کوئی سادگی یا نادانی یا ناتجربہ کاری سے ایسی بات کر دیتا ہے تو حوصلے کے ساتھ سن کر اسے سمجھانے کی ضرورت ہے بجائے اس کے کہ جواباً آپ بھی پتھر پر پتھر ماریں اور سارا ماحول پراگندہ ہو جائے۔ پس میں امید رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ جو بہت ہی عظیم الشان نظام شوریٰ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے دوبارہ ہمیں عطا کیا ہے یہ اتنا قیمتی نظام ہے کہ اس کی خاطر ہر بڑی سے بڑی قربانی بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹/اپریل ۱۹۹۴ء)

☆......☆......☆......☆

(۹)

۱۹۶۷ء کی مجلس مشاورت میں ایک سب کمیٹی کی رپورٹ کے ساتھ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نے "مجلس شوریٰ" پر ایک نوٹ لکھا جسے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیتے ہوئے اختتامی خطاب میں پڑھ کر سنایا۔ وہ نوٹ حسب ذیل ہے:۔

"تمام جماعتوں اور افراد پر اچھی طرح واضح رہے کہ مشورہ لینے کا حق نبی یا امام وقت کو دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ﴿شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ فرمایا ہے۔ امام جس طریق پر اور جن افراد سے مشورہ لینا پسند کرے اس کا اسے ازروئے شریعت اختیار ہے۔ جماعتوں اور افراد کا یہ حق نہیں کہ کسی خاص طریق پر مشورہ دینے کا مطالبہ کریں۔ مجلس شوریٰ کو خلیفۂ وقت بلاتے ہیں اور اس بارہ میں انہیں پورا اختیار ہے کہ جس طریق پر اور جن افراد سے اور جتنی تعداد سے مشورہ لینا چاہیں مشورہ لے سکتے ہیں۔ یہ وضاحت کرنا اس لئے

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

حجّ بیت اللہ کی غرض و غایت

یہ ایام ماہ ذی الحجہ کے وہ بابرکت ایام ہیں جب ساری دنیا سے لاکھوں بندگان خدا بیت اللہ کے طواف اور دیگر مناسک حج کی ادائیگی کے لئے ارض حجاز میں جمع ہیں۔ حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر اس شخص پر فرض ہے جو اس بیت اللہ تک آنے کی توفیق رکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقعہ پر اپنے خطاب میں فرمایا کہ ”اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس تم حج کیا کرو“۔

حج اسلامی عبادات میں ایک نہایت اہم عبادت ہے۔ اس میں محبت اور ایثار کا مضمون غالب ہے۔ حج کے تمام ظاہری مناسک دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور ایک نمونہ کے ہیں۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مناسک حج کی فلاسفی کو نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ یوں بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

”اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو نہ خانہ کعبہ بناتا اور نہ اس میں حجر اسود رکھتا۔ لیکن چونکہ اس کی عادت ہے کہ روحانی امور کے مقابل پر جسمانی امور بھی نمونہ کے طور پر پیدا کر دیتا ہے تاوہ روحانی امور پر دلالت کریں۔ اسی عادت کے موافق خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ انسان عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور عبادت دو قسم کی ہے۔ (۱) ایک تذلل اور انکسار (۲) دوسری محبت اور ایثار۔ تذلل اور انکسار کے لئے اس نماز کا حکم ہوا جو جسمانی رنگ میں انسان کے ہر ایک عضو کو خشوع اور خضوع کی حالت میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ دلی سجدہ کے مقام پر اس نماز میں جسم کا بھی سجدہ رکھ دیا گیا تا جسم اور روح دونوں اس عبادت میں شامل ہوں۔ اور واضح ہو کہ جسم کا سجدہ بیکار اور لغو نہیں۔ اول تو یہ امر مُسلّم ہے کہ خدا جیسا کہ روح کا پیدا کرنے والا ہے وہ جسم کا بھی پیدا کرنے والا ہے اور دونوں پر اس کا حق خالقیت ہے۔ ماسوا اس کے جسم اور روح ایک دوسرے کی تاثیر قبول کرتے ہیں۔ بعض وقت جسم کا سجدہ روح کے سجدہ کا محرک ہو جاتا ہے۔ اور بعض وقت روح کا سجدہ جسم میں سجدہ کی حالت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ جسم اور روح دونوں باہم مرایا متقابلہ کی طرح ہیں۔ مثلاً ایک شخص جب محض تکلّف سے اپنے جسم میں ہنسنے کی صورت بناتا ہے تو بسا اوقات وہ سچی ہنسی بھی آ جاتی ہے کہ جو روح کے انبساط سے متعلق ہے۔ ایسا ہی جب ایک شخص تکلّف سے اپنے جسم میں یعنی آنکھوں میں ایک رونے کی صورت بناتا ہے تو بسا اوقات حقیقت میں رونا ہی آ جاتا ہے جو روح کی درد اور رقّت سے متعلق ہے۔ پس جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ عبادت کی اس قسم میں جو تذلّل اور انکسار ہے جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہے اور روحانی افعال کا جسم پر اثر پڑتا ہے۔ پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں بھی جو محبت اور ایثار ہے انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں عوض معاوضہ ہے۔ محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے۔

ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے۔ اور ایسا حکم اس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔

سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس کے گرد گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ

گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دور کر دیتے ہیں، سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خدا کے آستانہ کا پتھر تصور کر کے بوسہ دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے اور روح اس وقت محبوب حقیقی کے گرد طواف کرتی ہے اور اس کے روحانی آستانہ کو چومتی ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں۔ ایک دوست ایک دوست جانی کا خط پا کر اس کو چومتا ہے۔ کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود سے مرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے و بس۔ جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں۔ پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ مگر اس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اس کو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھیرایا"۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۹۹تا ۱۰۱)

حج کے موقعہ پر قربانی کی حکمت اور غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے شریعت اسلام میں بہت سے ضروری احکام کے لئے نمونے قائم کئے ہیں۔ چنانچہ انسان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اور اپنے تمام وجود کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ پس ظاہری قربانیاں اسی حالت کے لئے نمونہ ٹھہرائی گئی ہیں لیکن اصل غرض یہی قربانی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآءُ ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ**"(الحج:۳۸) یعنی خدا کو تمہاری قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ خون پہنچتا ہے مگر تمہاری تقویٰ اس کو پہنچتی ہے۔ یعنی اس سے اتنا ڈرو کہ گویا اس کی راہ میں مر ہی جاؤ۔ اور جیسے تم اپنے ہاتھ سے قربانیاں ذبح کرتے ہو۔ اسی طرح تم بھی خدا کی راہ میں ذبح ہو جاؤ۔ جب کوئی تقویٰ اس درجہ سے کم ہے تو ابھی وہ ناقص ہے"۔(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۹۹حاشیہ)

قرآن مجید اور احادیث نبویہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا حج عند اللہ مقبول ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں اسے ایک نئی روحانی پیدائش نصیب ہوتی ہے اور وہ ہر قسم کے گناہوں اور دنیاوی آلائشوں سے ایک معصوم نومولود بچے کی طرح پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:۔

"اے لوگو! یہ کون سا دن ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ عرفہ کا قابل احترام دن ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ مکہ کا قابل احترام شہر ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ ذی الحجہ کا قابل احترام مہینہ ہے۔ اس سوال وجواب کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ سنو! تمہارے اموال اور تمہارے خون اور تمہاری آبروئیں اسی طرح قابل احترام اور مستحق حفاظت ہیں اور ان کی ہتک تمہارے لئے حرام ہے۔ جس طرح یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ تمہارے لئے قابل احترام اور لائق ادب ہے اور جس کی ہتک تم پر حرام ہے۔ حضورؐ نے اس بات کو کئی بار دوہرایا۔ پھر آپؐ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے میرے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ حضورؐ نے هَلْ بَلَّغْتُ کے الفاظ بھی کئی بار دہرائے پھر آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو جو یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان

لوگوں تک پہنچادیں جواس موقعہ پر موجود نہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یاد رکھو کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو اور خونریزی کا ارتکاب کرنے لگو"۔(مسند احمد)

یقیناً حج بیت اللہ کی سعادت بہت عظیم ہے لیکن اگر اس کے ساتھ روح کی سچائی اور دل کا اخلاص شامل نہ ہو تو مناسک حج کی محض رسم کے طور پر ادائیگی انسان کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں مسلمان اس مقدس دن میں، اس مقدس مہینہ میں، اس مقدس مقام پر جمع ہوتے ہیں مگر ان میں سے کتنے ہیں جن کی زندگیوں میں واقعۃً حقیقی اور دائمی انقلاب رونما ہوتا ہے کہ ان کی بعد کی زندگیاں ان کے معصوم اور بے شرّ اور بے ضرر ہونے پر گواہ بنتی ہوں۔ اگر واقعۃً ایسا ہوتا تو آج مسلمان ممالک کا وہ بدحال نہ ہوتا جو اس وقت دکھائی دے رہا ہے۔ کتنے ہی مسلمان سیاست دان اور علماء اور خواص و عوام ہیں جو ہر سال حج بیت اللہ کے لئے وہاں جمع ہوتے ہیں لیکن جب وہ واپس آتے ہیں تو معمولی اختلافات پر اپنے متبعین کو اس بات پر اکساتے ہیں کہ وہ مخالفین کو قتل کرڈالیں، ان کے اموال چھین لیں اور ان کی عزتوں کو برباد کریں۔ ان میں سے کتنے ہی ہیں جو بددیانتی اور بے ایمانی اور رشوت خوری اور دوسروں کے اموال کو ہتھیانے اور ان پر ناجائز قبضہ کرنے اور معصوموں پر ظلم ڈھانے اور جھوٹ اور افتراء پردازی اور بدزبانی و بیہودہ گوئی کے ذریعہ لوگوں کی جانوں، ان کے مالوں اور عزتوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ اپنی گردنوں کو خدا کی رضا کی چھری کے نیچے رکھنے کی بجائے معصوموں کا خون بہاتے ہیں اور ناحق دوسروں کے اموال لوٹ کر اس سے اپنے پیٹوں کا جہنم بھرتے ہیں۔ افسوس کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس کھلی تنبیہ سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمائی تھی کہ "یاد رکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو اور خونریزی کا ارتکاب کرنے لگو"۔

اے کاش! کہ مسلمانانِ عالم حج بیت اللہ کی اغراض اور مقاصد کو اور اس نداء کو جو اس گھر سے بلند ہوئی ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور ہر قسم کے فتنہ اور خونریزیوں و فساد سے بچتے ہوئے امن و آشتی اور صلحکاری اور تقویٰ و راستی پر قدم ماریں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

✿✿✿✿✿✿✿✿

بقیہ صفحہ ۱۰

ضروری سمجھا گیا تاکسی نئے احمدی کے ذہن میں مغربی طرز فکر کے ماتحت پارلیمنٹوں کے طریق پر نمائندگی کے حق کا سوال پیدا نہ ہو"۔

(رپورٹ شوریٰ ۱۹۶۷ء (غیر مطبوعہ) صفحہ ۳۴)

☆......☆......☆......☆

(۱۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کو جماعت کے لئے "بنیادی پتھر" قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"میری نظر آئندہ پر ہے کہ ہم آئندہ کے لئے بنیادیں رکھیں۔ جس کی نظر وسیع نہیں اسے تکلیف نظر آرہی ہے مگر اس کی آئندہ نسل ان لوگوں پر جو بنیادیں رکھیں گے درود پڑھیں گی...... وہ زمانہ آئے گا جب خدا تعالیٰ ثابت کردے گا کہ اس جماعت کے لئے یہ کام بنیادی پتھر ہے"۔

(مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء)

(۱۱)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ساری دنیا کی پارلیمنٹوں کے مقابل پر جماعت احمدیہ کی مجلس شوریٰ کو جو بلند مرتبہ حاصل ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"آج بے شک ہماری مجلس شوریٰ دنیا میں کوئی عزت نہیں رکھتی مگر وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب دنیا کی بڑی سے بڑی پارلیمنٹوں کے ممبروں کو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اس کی ممبری کی وجہ سے حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس کے ماتحت ساری دنیا کی پارلیمنٹیں آئیں گی۔ پس اس مجلس کی ممبری بہت بڑی عزت ہے اور اتنی بڑی عزت ہے کہ اگر بڑے سے بڑے بادشاہ کو ملتی تو وہ اس پر فخر کرتا۔ اور وہ وقت آئے گا جب بادشاہ اس پر فخر کریں گے"۔

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء)